بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ


ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۳ | ۱۰؍جولائی ۲۰۲۶ء مطابق ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۸ھ | شمارہ نمبر ۱۷


## اس شمارے میں


| | | |
|---|---|---|
| آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ | ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ | ۴ |
| تعلیم کا بنیادی مقصد: انسان سازی | محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی | ۵ |
| آسمانی کتابوں پر ایمان | حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی | ۷ |
| رسول اللہ کی شفاعت کا حقدار کون؟ | مولانا عبدالرشید راجستھانی ندوی | ۹ |
| سوال وجواب | مفتی محمد ظفر عالم ندوی | ۱۰ |
| ظلم-قوموں کے زوال کا سبب | حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ | ۱۱ |
| نفقۂ مطلقہ-شرعی موقف اور.... | مفتی محمد نصر اللہ ندوی | ۱۳ |
| کیا اسلام عورت کو مارنے کی.... | مولانا منور سلطان ندوی | ۱۶ |
| فضول مشغولیات اور ہمارا معاشرہ | مولانا محمد فرمان ندوی | ۱۹ |
| ڈیجیٹل عہد میں اسلامی اقدار کا تحفظ | ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی | ۲۱ |
| بعض اہم کتابوں کی دلچسپ وجہ تالیف | ڈاکٹر محمد اعظم ندوی | ۲۳ |
| سائنسی علوم میں علمائے دین کی دلچسپی | ڈاکٹر سید عبدالرشید ندوی | ۲۵ |
| خدمت انسانیت ایک عظیم فریضہ | مولانا ارشد علی ندوی | ۲۷ |
| دعا: بندۂ مومن کا سب سے مؤثر ہتھیار | محمد جاوید اختر ندوی | ۲۹ |
| تعارف وتبصرہ | محمد اصطفاء الحسن ندوی | ۳۱ |
| شیرازۂ ملت | محمد نفیس خان ندوی | ۳۳ |



**سرپرست**

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

**مدیر مسئول**

شمس الحق ندوی

**نائب مدیر**

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

**معاون مدیر**

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

محمد نفیس خان ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

**مجلس مشاورت**

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی


قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِ تعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

**TAMEER E HAYAT**
**A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)**
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔


ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

**TAMEER-E-HAYAT**
Tagre Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Call : 9559844716
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com


مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| سالانہ زرتعاون -/500 | فی شمارہ -/25 | ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ $100 |

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ‎₹30/=‎ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)


پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

# آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو، معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دُور سے گردُوں کے ستارے
ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر، اثر آہِ رسا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اِک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکر گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عُود کا ہر تار ازل سے
تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیر صنم خانۂ اَسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے
ہے راکبِ تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ

اداریہ

# تعلیم کا بنیادی مقصد: انسان سازی

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

اس وقت ملک اور قوم کی کشتی کے جو بھی نگہبان ہیں، ان کے دل سے اگر کوئی فریاد سب سے بڑے نگہبان کی بارگاہ میں زبان حال بن کر نکلتی ہوگی تو یہی کہ ع

اے کشتیٔ امت کے نگہبان
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

امت کی کشتی کا معاملہ یہ بھی ہے کہ وقت کے دھاروں میں اس کو منجھداروں سے سابقہ پڑتا ہی رہا ہے اور یہ بھی ہوتا رہا ہے کہ جب ساحلوں سے نظارہ کرنے والوں کو کشتی کے ڈوب جانے کا یقین ہو چلا تو کناروں نے دیکھا کہ کشتی صحیح سالم ان سے ہم کنار ہے۔ ایسا ہی ایک نظارہ قریب ڈیڑھ سو سال پہلے سامنے آیا جب ملک، قوم کے ہاتھوں سے نکلا اور اس طرح نکلا کہ ہاتھوں پر درج قسمت کی لکیروں کو بھی دھندلا کر گیا۔ حکومت رہی، نہ فوج۔ اقتدار گیا تو احتشام بھی گیا۔ عزت وذلت کے پیمانے بھی کچھ سے کچھ ہو گئے۔ ان اندھیروں کی تصویر کشی ہر طرح سے کی جا چکی ہے۔ اس کا ایک انداز اس دور کے مؤرخ کے اس قول سے کیا جا سکتا ہے کہ: دلی میں اسلامی حکومت کا آفتاب جب ڈوب رہا تھا تو اسی کے مطلع سے اسلام کا ایک اور آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ یہ آفتاب خانوادہ شاہ ولی اللہ کے روپ میں جلوہ گر ہوا۔ پھر کیا ہوا، اندھیروں کو امیدوں کی کرنوں نے کس طرح دور کرنے کی کوشش کی اور جس کا اثر ایک عرصہ بعد ندوۃ العلماء کی شکل میں ظاہر ہوا، یہ ایک ایسی طویل داستان ہے جو مسلسل اور بار بار پڑھے جانے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کی غرض وغایت مختصر طور پر اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ علماء کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے، جو وقت کی ضرورت اور وقت کی آواز بن جائے۔ قوم کے خیالات، قوم کے اخلاق، قوم کے دل ودماغ، قوم کی معاشرت، قوم کے تمدن یعنی قومی زندگی کے تمام بڑے مظاہر علماء کے قبضۂ اختیار میں ہوں۔ وہ ذمہ داری لیں کہ سب سے پہلے وہ ایک مجموعی قوت کے سرچشمے میں خود کو بدلیں گے اور یہ سمجھ کر کہ قوت وطاقت کی یہ نعمت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب اختلاف واتفاق کو ان کے اصل حدود میں رکھا جائے۔

امت کی حقیقی ترقیوں کی ضامن، اہل علم وفضل اور اہل ذہن وذکر کی عملی ونظری یکجہتی تھی اور یہی ندوہ کی اصل شکل اور روح کا دوسرا نام تھا۔ یہ ساری باتیں ندوہ کے تاریخی مطالعہ کرنے والوں کے لیے نئی نہیں ہیں۔ یہاں صرف موجودہ ملی وملکی صورتحال میں بس ایک یاد کو زندہ کرنے کی خواہش ہے۔ مولانا شبلی کے لبوں پر کیوں یہ تاریخی جملہ آ گیا تھا کہ: ندوہ کے قالب میں جو روح ہے، اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ندوہ کے مطالعہ میں ایسی کتنی باتیں ہیں جن کی تجدید یا ان کو مکرر پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ ۱۹۴۰ء میں ریاست بہاولپور کی ایک تعلیم گاہ میں تقسیم اسناد کے جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں ان کو ریاست بھاولپور اور ندوہ کا پرانا تعلق یاد آیا۔ ان کو یاد آیا کہ ۱۹۰۸ء میں جب وہ دار العلوم کے طالب علم تھے، تو ریاست بھاولپور کے نواب کی والدہ ماجدہ نے دار العلوم کی تعمیر کے لیے یک مشت پچاس ہزار روپے کی شاہانہ رقم عطا فرمائی تھی۔ یہ خبر جب ندوہ کے طالب علموں کو ملی، تو اس دن سب نے اپنے کھانے مستحقین میں تقسیم کر دیے اور خود بھوکے سو رہے۔ اس تمہید کے بعد سید صاحب نے ندوہ کی بناء وتاسیس میں مضمر اس جذبہ ونیت کو بھی یہ کہہ کر یاد کیا تھا کہ تعلیم کی اصل غرض' انسان میں اخلاقی اور تہذیبی پاکی پیدا کرنا ہے۔ تعلیم وہی جو کامل انسان بنائے، کامل مسلمان بنائے، وہ تعلیم کیا جو نہ دین کا جذبہ پیدا کرے اور نہ ملک کی خدمت کا۔ سید صاحبؒ نے امام غزالیؒ کے الفاظ میں ندوہ کی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا اور اس کو مشہور فلسفی ہربرٹ اسپینسر کے قول سے بھی جوڑ دیا کہ تعلیم کا مقصد جتنا انسان کو بتانا ہے اس سے کہیں زیادہ انسان بنانا ہے۔ تعلیم کا مقصد اخلاق کی تعمیر، اخلاق کی مضبوطی اور

اخلاق کی پاکیزگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ تعلیم اگر زندگی کے انقلابوں اور تغیرات سے نبرد آزما ہونے یا دوسرے الفاظ میں خوش آمدید کہنے کے لیے تیار نہیں تو پھر تجاہل، تغافل اور انجان بنے رہنے کی بیماری سے کون بچا سکتا ہے۔

سید صاحب کا یہ خطبہ بھاولپور آج اسی لیے یاد آیا کہ ۱۹۴۰ء کی فضاؤں میں جو اضطرابی لرزشیں تھیں، آج وہ پہلے سے زیادہ صبر آزما بنتی نظر آتی ہیں۔

ندوہ کی تاریخِ بنا و تاسیس میں یہ نوائے سروش شامل تھی کہ:

سال و تاریخِ بنا 'اول بیت وُضع' ست

اس نوا میں وہ صدائیں کون بھول سکتا ہے کہ اے خدا مغربی خیالات کا سخت سیلاب' مسلمانوں کو اپنی رو میں بہائے لیے جاتا ہے۔ جس کے ساتھ ان کی مذہبی حالت، علوم مذہبی و شعائر سب اسی طوفان کی زد میں ہے۔ اے خدا! چند ناتواں بچوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اس سیلاب کی ٹکر کو سنبھال لیں گے۔ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے جو کسی طرح ان کے چہرے پر نہیں کھلتا۔ تو ہی ہے جو ان کی آبرو رہ جائے۔

اس دعا پر ایک بار پھر آمین کہنے کی ضرورت ہے۔ زبان، قلم، عمل جب ندوہ کی نسبت سے دیکھے جاتے ہیں تو یہ گویا امت کے تمام علماء کی نمائندگی کی ترجمانی ہوتی۔ موجودہ حالات میں زبان کی ہوش مندی، فکر کی ارجمندی اور دل کی دردمندی کا نسخہ ایک بار پھر امت کے لیے تیر بہدف بن سکتا ہے۔

☆☆☆

# دین اور ختم نبوت کی حفاظت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

دنیا کا قاعدہ ہے کہ جہاں کا کوئی دستور ہوتا ہے، کوئی قانون ہوتا ہے، کسی ملک کا بھی دستور ہو، اس پورے دستور کو ماننے سے اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ باغی کہلاتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بغاوت کی سزا کیا ہے؟ قتل ہے، آپ کہیں دیکھ لیجیے کوئی دستور کے خلاف بغاوت کرکے دیکھے، حکومت کیا معاملہ کرے گی؟، دستور کے خلاف بغاوت کو کوئی برداشت نہیں کرتا، اسلام کے دستور کے خلاف کوئی بغاوت کرے تو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے، اس لیے ختم نبوت کی چہار دیواری کو توڑ کر کوئی دوست نما دشمن کیسے داخل ہوسکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اس دین کے آخری نبی ہیں اور اس دین کے مکمل ہونے کا اعلان کرنے والے ہیں، ان کے اس اعلان کی حرمت کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمان کا ایمان تو اسی وقت مکمل ہوگا کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوری طرح تابعدار ہوں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے ہوں اور اس پر خود بھی قائم رہنے والے ہوں اور دوسروں کو قائم رکھنے کی کوشش کرنے والے ہوں اور اس پر حملہ کرنے والے اور اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنے والے اور اس کو نقصان پہنچانے والوں سے ہم مقابلہ کریں، ہمیں اس کا مقابلہ کرنا ہے اور اس دین کی حرمت کو بچانا ہے اور اس دین کی حرمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کو چیلنج کیا گیا یا ختم نبوت کے ساتھ کوئی کھلواڑ کیا گیا تو یہ دین محفوظ نہیں رہے گا، یہ دین بدل جائے گا اور پھر اس سلسلہ میں ہم سب مسلمانوں کا مؤاخذہ ہوگا، ہم سب اس بات کے ذمہ ہیں اور ہم سب پر یہ ذمہ داری آتی ہے کہ اس دین کی حفاظت کریں اور اس دین کی حفاظت اس کی شریعت کی حفاظت کے ساتھ ہوگی اور ختم نبوت کی حفاظت کے ساتھ ہوگی، اور اس دین کو اس طرح قائم رہنے کے ساتھ ہوگی جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ کر گئے، یہ ذمہ داری ہم سب کی ہے جو بھی اس کی فکر کرے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا درجہ ہوگا اور وہ قیامت میں سرخرو ہوگا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرخرو ہو کر آئے گا اور اگر ہم کوتاہی کریں گے تو ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منھ دکھائیں گے۔

آپ سوچیے تو کہ ہم جس پر فدا ہیں، جن پر ہم جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی عزت اور اپنے خاندان کی عزت قربان کرسکتے ہیں اور قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، ان کے سامنے ہم کس منھ سے جائیں گے کہ ان کی ختم نبوت کے ساتھ کھلواڑ ہو رہا ہو اور ہم بیٹھے عیش کر رہے ہوں اور ہم تفریح کر رہے ہوں اور ہم پر کوئی اثر نہ پڑے، اس پر آدمی کی نیند حرام ہوجانی چاہیے، آدمی اپنے آرام کو چھوڑ دے اور اس میں لگ جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت سے ہم کھلواڑ کرنے نہیں دیں گے، آپؐ کی حرمت کی ہم پوری حفاظت کریں گے، ہم جو کچھ کرسکتے ہیں وہ ہم کریں گے، لیکن ہم کسی حالت میں اس مکمل اسلام کو ٹوٹنے نہیں دیں گے، ہم ختم نبوت کی حرمت کو نقصان پہنچانے نہیں دیں گے۔

☆☆

تعلیم القرآن

# آسمانی کتابوں پر ایمان

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء)

{وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ}(البقرۃ:۴)

(اور جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا اور اس پر (بھی) جو آپ سے پہلے اتارا جاچکا۔)

متقین کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ آپ ﷺ پر جو اترا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ علیہ السلام سے پہلے جو کچھ اترا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، یہ اس امت کی خصوصیت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جامع امت بنایا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے اور ان پر جتنی بھی کتابیں اتریں، ہمیں اس کا مکلف کیا گیا ہے کہ کم از کم اجمالی طور ہم یہ یقین رکھیں اور مانیں کہ وہ سب اللہ کے نبی تھے اور ان پر اللہ کی طرف سے کتابیں اتری تھیں، یہ ہمارے عقیدہ کا ایک حصہ ہے اور یہ وہ کلمہ وحدت ہے جس سے ایک جوڑ پیدا ہوتا ہے، یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، یا حضرت عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں بلکہ (نعوذ باللہ) انھیں خدا کا بیٹا ہی قرار دے دیتے ہیں، اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور وہ بھی انھیں خدا کا بیٹا بنا دیتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض قومیں ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو مانتی ہیں، ان سب کے متعلق ہمیں یہ حکم ہے کہ وہ انبیاء انھی کے نہیں ہیں بلکہ ہمارے بھی ہیں، بس فرق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی قوموں کو جو تعلیمات دیں وہ انھوں نے فراموش کر دیں، ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں وہ کتابیں تحریف کا شکار ہوگئیں، لیکن ہم یہ مانتے ہیں کہ اپنے اپنے زمانوں میں جو کتابیں اتریں وہ حق تھیں، یہ وہ کلمہ وحدت ہے جو قوموں کے اندر ایک جوڑ پیدا کرتا ہے جس کو ''کلمہ سواء'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہے کہ:

{قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ}(آل عمران:۶۴).

(آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنالے۔)

آیت میں اہل کتاب سے کہا جارہا ہے کہ تم کو ایک اللہ کی عبادت کا دعویٰ ہے اور ہم بھی یہی دعوت لے کر آئے ہیں، تو یہ چیز ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، اس لیے ہمیں ایک ہو کر آگے بڑھنا چاہیے پھر مزید جو باتیں غور کرنے کی ہیں ان کو بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بھی ایک جوڑ کی بات ہے۔

اس وقت دنیا میں میڈیا کے ذریعہ بہت سی غلط باتوں کو پھیلا جا رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ کو نہیں مانتے، یا یسوع کو نہیں مانتے، دوسری قوموں میں اس طرح کی باتیں پھیلائی گئیں، بعض جگہوں کے متعلق یہ بات پتہ چلی کہ لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے نقشے تیار کیے، بعض عیسائیوں نے جب وہ نقشے دیکھے تو اسلام میں داخل ہوگئے اور وہ بولے: ہم سمجھتے تھے کہ مسلمان یسوع کو نبی نہیں مانتے اور ان کا احترام نہیں کرتے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وہ دشمن ہیں اور آپ ﷺ کی شان اقدس میں توہین کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، لیکن اسلام نے ہمیں یہ سکھایا کہ جتنے بھی نبی گذرے وہ سب ہمارے نبی ہیں اور سب پر ایمان لانا ہمارے لیے لازم ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

{آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ}(البقرۃ:۲۸۵).

(جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا رسول بھی اس پر ایمان لائے اور مسلمان بھی، سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں (ایمان کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے اور انھوں نے کہا: ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔)

ہمیں حکم ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے، نبی ہونے کی حیثیت سے وہ سب برابر

ہیں، تاہم ان کے درمیان مراتب کا فرق ہے اور اہل ایمان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ پر جو کچھ اترا اس کو مانتے ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے جو اترا اس کو بھی مانتے ہیں، البتہ ہمیں اس پر یقین ہے کہ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے تو یہ کتاب ہمیشہ باقی رہے گی، لیکن اس سے پہلے کی جتنی کتابیں ہیں وہ تقریباً ختم ہوگئیں، بس ان کے نام باقی ہیں اور ان میں ممکن ہے کہ کچھ اصل چیزیں بھی ہوں، تاہم زیادہ تر وہ تحریف کا شکار ہیں۔

بعض لوگوں نے ایک نکتہ کی بات کہی ہے کہ آیت میں یوں ارشاد ہے:

{وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ}(البقرة:۴)

(اور جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا اور اس پر (بھی) جو آپ سے پہلے اتارا جاچکا۔)

اس آیت میں {أُنْزِلَ إِلَيْكَ} کے ساتھ {أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ} فرمایا گیا اور {أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِكَ} ارشاد نہیں ہوا، گویا اس سے صاف صاف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ ہی آخری نبی ہیں اور یہ وحی آخری وحی ہے، اب اس کے بعد کوئی وحی نہیں آئے گی، اگر آنی ہوتی تو ہمیں یہاں یہ حکم دیا جاسکتا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد جو کچھ اترے گا اس کو بھی مانتے ہیں لیکن آپ ﷺ کے بعد کچھ نہیں اترنا تھا، آپ ﷺ پر آخری وحی نازل ہوگئی، آپ ﷺ آخری نبی بنا دیے گئے اور آخری شریعت دے دی گئی اور یہ اعلان ہوگیا کہ:

{اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْناً}(المائدة:۳).

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا)۔

تکمیل کے بعد معاملہ ختم ہوگیا، تکمیل کے بعد اگر کوئی چیز بڑھائی جائے تو وہ اس کو بھونڈا بنا دیتی ہے، اللہ نے اس دین کو قیامت تک کے لیے طے کردیا، اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی وحی نازل ہوگی، اب نہ کوئی شریعت آئے گی اور نہ کوئی نیا نظام، اگر کوئی اس کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ سب سے بڑھ کر جھوٹا ہے، شیطان اس کے دل میں باتیں ڈال رہا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ کوئی فرشتہ آکر اس کو وحی کررہا ہے۔

ان آیات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ یہ آخری وحی اور آخری نظام ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا، اسی لیے یہ بات کہی گئی کہ متقین کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو نبی ﷺ کے اوپر نازل ہوا اور اس پر بھی جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کیا گیا۔

☆☆☆

# ظالموں اور مظلوموں کی دنیا

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ

آج دنیا پھر ایک نئی کروٹ لے رہی ہے، سوشلسٹ انقلاب ناکام ہوچکا ہے، کارل مارکس کا نظریہ سوشلسٹ، روس کی تاریخ کا غلغلہ، اسلامی تاریخ اور اسلام کے ایک روشن و تابناک مستقبل کے امکانات کے تناظر میں ایک معاشی و معاشرتی و سیاسی فریب ثابت ہوچکا ہے، یہودیوں کا ہر فریب دنیا پر کھل چکا ہے، یہی فریب ان کا محافظ تھا، عرب دنیا کے قلب میں اسرائیل کا سرطان اس کی مستقل تباہی کا اعلان کررہا ہے، پوری افریقہ و ایشیاء برادری بیدار ہوچکی ہے، کہا جاتا ہے کہ پہلی، دوسری اور تیسری دنیا، میں کہتا ہوں کہ دنیائیں صرف دو ہیں، ایک ظالموں کی دنیا دوسری مظلوموں کی، ایک کو آزاد و ترقی یافتہ کہا جاتا ہے، دوسری کو ترقی پذیر۔ کیا ترقی پذیر ملکوں کو آزادی مل گئی؟ میں کہتا ہوں کہ آزادی کی اور اصل آزادی اور مکمل آزادی کی جنگ اب شروع ہوئی ہے، انصاف، مساوات، اخوت، آزادی اور انسانی حقوق کے دعوی کرنے والوں کے مکروہ چہرے سب کو نظر آنے لگے ہیں، یہودیوں کی فریب ذہنی اور فساد انسانی کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے، عربوں کا خونہ بہہ رہا ہے، وہ بے دردی سے قتل کیے جارہے ہیں؛ لیکن عالمی اداروں کو بے ضمیروں کے ضمیر نہیں جاگ رہے ہیں، اقوام متحدہ اپنی ہی قراردادوں پر عمل نہیں کرواسکی، بلکہ عالم اسلام کو سیکولرزم کے یہودی تصور کا درس دیا جارہا ہے اور ملک میں یہودیوں کے سیاہ ایجنٹ فریب ذہنی اور فساد کے مبلغ بنے ہوئے ہیں۔

☆☆

تعلیم الحدیث

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا حق دار کون؟

مولانا عبدالرشید راجستھانی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: "لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ." (البخاري: ۹۹)

**ترجمہ:** حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت پانے والا کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! مجھے گمان تھا کہ تمہاری حدیث کی حرص و رغبت کو دیکھتے ہوئے اس حدیث کے بارے میں تم سے پہلے کوئی مجھ سے سوال نہیں کرے گا۔ قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ سعادت پانے والا وہ شخص ہوگا جس نے خلوصِ دل کے ساتھ "لا إله إلا الله" کہا ہو۔

**تشریح:** یہ حدیث شفاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے مستحق کی نشاندہی کرتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا کون ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں کسی قوم، خاندان، نسبت یا ظاہری وابستگی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ایک ہی معیار بیان فرمایا: خالص توحید اور اخلاصِ قلب!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جس کا ایمان خالص ہو، جس کے دل میں توحید راسخ ہو اور جس نے "لا إله إلا الله" کو محض زبان سے نہیں بلکہ سچے یقین اور اخلاص کے ساتھ قبول کیا ہو۔ شفاعت کی امید محض آرزو یا دعوے پر قائم نہیں بلکہ ایمان اور اخلاص پر موقوف ہے۔

قرآنِ مجید نے بھی واضح کیا ہے کہ شفاعت کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ اور ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾۔ اس لیے قیامت کی شفاعت دنیاوی سفارشات کی طرح نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور رضا کے بعد ہی ہوگی۔ چنانچہ شفاعت کا عقیدہ بندے کو بے خوف نہیں بناتا بلکہ اسے ایمان، تقویٰ اور جواب دہی کے احساس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

شفاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک عظیم مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء، ملائکہ اور صالح بندوں کو شفاعت کا اعزاز عطا فرمائے گا، مگر ان سب کی شفاعت بھی اسی کے حکم اور اجازت سے ہوگی۔ لہٰذا نجات کا اصل سرمایہ ایمان اور توحید ہے۔

اسی لیے محض خاندانی نسبت یا قرابت نجات کے لیے کافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور حمایت کی لیکن ایمان نصیب نہ ہوا۔ چنانچہ ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ یعنی وہ جہنم کے ہلکے عذاب میں ہیں، اور اگر میری شفاعت نہ ہوتی تو جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر محض قرابت نجات کا سبب نہیں بنتی۔

قرآنِ کریم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کا واقعہ بیان فرما کر بھی اسی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارے میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ یعنی ایمان کے بغیر محض نسبی تعلق نجات کے لیے کافی نہیں۔

اسی مقصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبی اہلِ خاندان کو بھی متنبہ فرمایا: "يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا۔" اور "يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں محض نسب کسی کے لیے کافی نہیں، اصل چیز ایمان اور عمل ہے۔

**فائدہ:** یہ حدیث ہر مسلمان کو اپنے عقیدہ اور باطن کا جائزہ لینے کی دعوت دیتی ہے۔ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہیں تو ہمیں اپنی توحید، اخلاص اور ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا، نہ منصب اور نہ خاندانی نسبت، بلکہ سب سے قیمتی سرمایہ وہ خالص "لا إله إلا الله" ہوگا جو سچے ایمان اور کامل اخلاص کے ساتھ دل میں جاگزیں ہو۔ یہی دولت بندے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ابدی کامیابی کے قریب لے جاتی ہے۔

☆☆☆

**تعلیم الفقہ**

# سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

**سوال:** ایک مسلمان خاتون نے اپنا نکاح گھر والوں کی مرضی کے خلاف ایک غیر مسلم سے کرلیا، باپ زندگی بھر ناراض رہے اور اپنے گھر آنے نہیں دیا، والد کا انتقال ہوگیا ہے، اس نے کافی جائدادیں چھوڑی ہیں، تمام بھائی بہنوں نے جائدادیں تقسیم کرلی ہیں، لیکن اس خاتون کو نہیں ملی جس نے غیر مسلم سے نکاح کرلیا ہے، کیا وہ باپ کی جائداد میں حصہ پائیگی؟

**جواب:** کسی مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے جائز نہیں ہے، اس لیے یہ نکاح ہی نہیں ہوا ہے، کسی مسلم خاتون کا غیر مسلم کے ساتھ رہنا سنگین گناہ اور آخری درجہ کی بے حیائی ہے، اسے فوراً توبہ کر کے اپنے گھر آجانا چاہیے، بھائیوں اور دیگر اعزہ کی ذمہ داری ہے کہ اسے فوراً اس برے ماحول سے لے آئیں ورنہ عند اللہ مؤاخذہ ہوگا، اگر اس خاتون نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا ہے اور وہ اب تک مسلمان ہیں تو اپنے والد مرحوم کی جائداد میں حصہ پائے گی، خدانخواستہ اگر مذہب اسلام سے پھر گئی ہے اور مرتد ہوگئی ہے تو والد مرحوم کی متروکہ جائیداد میں حصہ نہیں پائے گی، کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وارث حصہ سے مرحوم ہوجاتا ہے: **”أما المرتد فلا یرث من أحد لا من مسلم ولا من مرتد مثله، وكذالک المرتدة لاترث من أحد لانها لیست ذات ملة“**۔ (مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا نہ مسلمان کا اور نہ ہی مرتد کا، اسی طرح مرتدہ عورت کسی کا وارث نہیں ہوگی اس لیے کہ ایک ملت نہیں ہے)۔ [شریفیہ: ص/۱۴۱]

**سوال:** ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے ورثہ میں دو لڑکے ہیں، مرحوم نے ایک زمین ترکہ میں چھوڑی ہے، وارثین میں ایک بھائی چاہتے ہیں کہ یہ زمین والد مرحوم کے نام مسجد میں دیدیں، کیا کوئی وارث جو گھر کا ذمہ دار ہو وہ زمین مسجد میں دے سکتا ہے؟

**جواب:** جو زمین مال متروکہ میں ہو اور وہ ورثہ کے درمیان مشترک ہو تو تمام ورثہ کی اجازت کے بغیر کوئی وارث اسے مسجد میں نہیں دے سکتا: **”لا یجوز لأحد أن یتصرف فی نصیب الآخر الا بأمره“** (کوئی وارث دوسرے وارث کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا)۔ [فتاویٰ ہندیہ: ۲/۳۰۱]

**سوال:** ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے وارثین موجود ہیں، کیا کوئی وارث دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر مرحوم کے مال متروکہ میں سے برائے ایصال ثواب فقراء پر خرچ کرسکتا ہے؟

**جواب:** اگر مال مشترک ہو، تقسیم شدہ نہ ہو تو تمام ورثہ کی اجازت کے بغیر تنہا کوئی وارث تصرف نہیں کرسکتا خواہ کار خیر ہی کیوں نہ ہو۔ [حوالہ سابق]

**سوال:** اگر کوئی شخص مال حرام چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا ہو کیا وارثین اس حرام مال کو مال متروکہ سمجھ کر آپس میں تقسیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

**جواب:** جو مال حلال ہو وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا اور جو حرام ہو وارثین ان کے لینے کا حقدار نہیں بلکہ اگر مال حرام کے مالک کا علم ہو تو اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہے، اگر مالک کا علم نہ ہو تو ضرورتمندوں پر اس کا صدقہ کردینا لازم ہے: **”و هو حرام مطلقاً علی الورثة سواء علموا أربابه أولا فان علموا أربابه ردوه علیهم والا تصدقوا به“**۔

[الدر المختار مع رد المحتار ۹/۵۵۴]

**سوال:** ایک شخص نے اپنے خاص رشتہ دار کو اپنا مکان زبانی وتحریری وصیت کردی، اور حقوق ملکیت اپنے انتقال کے بعد لکھ دیا، اب وہ شخص اپنی زندگی ہی میں اس وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہے تو کیا وصیت سے رجوع کا حق ہوگا؟

**جواب:** شرع اسلامی میں اس کی گنجائش ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے کے بعد وصیت سے رجوع کرے تو وصیت ختم ہوجائیگی: **”وله الموصی الرجوع عنها“**۔

[الدر المختار علی رد المحتار: ۱۰/۳۵۰]

**سوال:** ایک شخص کے روپے بینک میں جمع تھے، اس نے یہ تحریر لکھ دی کہ میرے انتقال کے بعد یہ روپے میری بیوی کے ہوں گے، شخص مذکور کا انتقال ہوگیا ہے، ان کی ماں باحیات ہیں، کیا بینک میں جمع روپے میں ماں حقدار ہوگی یا نہیں؟

**جواب:** اگر شخص مذکور نے روپے اپنے نام بینک میں جمع کیا، اور بیوی کے حق میں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ روپے بیوی کو ملے تو یہ بیوی کی رقم نہیں ہوگی، بلکہ مال متروکہ میں شامل ہوگی اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوی ایک چوتھائی اور ماں ایک تہائی کی حقدار ہوگی۔

[فتاویٰ ہندیہ، کتاب الفرائض: ۶/۴۴۹]

☆☆☆

**فکرونظر**

# ظلم-قوموں کے زوال کا سبب

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ (سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء)

اگر کسی ایسے مفکر سے جس کا موضوع تاریخ ہو اور قوموں کے اتار چڑھاؤ اور انسانی طبقات کے عروج وزوال سے وہ واقف ہو، یہ دریافت کیا جائے کہ تاریخ میں کون سی ایسی حقیقت ہے جو اٹل ولازوال ہے اور اس میں تغیر وتبدیلی نہیں ہوتی، اور وہ کون سا ایسا درس عبرت ہے جس کا تاریخ اعادہ کرتی رہتی ہے؟ تو وہ جواب دے گا کہ ظلم وزیادتی کے طریقے اور جبر واستبداد کے وسائل دلوں کو خاموش کرنے میں ہمیشہ ناکام رہتے ہیں، اور جو طاقتیں ظلم وزیادتی کے مرحلہ میں داخل ہوتی ہیں، وہ بہت جلد مقہور ومجبور ہوکر اس مرحلہ سے نکلتی ہیں، اور انجام یہ ہوتا ہے کہ مغلوب غالب بن جاتا ہے اور قاہر وظالم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، تاریخ کا یہی وہ فیصلہ ہے جو کبھی بدلتا نہیں۔

ظلم وزیادتی اگر کامیاب حربہ اور کارگر وسیلہ ہوتا تو دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا اور بعض تہذیبوں اور قوموں کے عروج واقبال اور دوسری تہذیبوں اور قوموں کے ادبار وزوال کے واقعات تاریخ میں پیش ہی نہ آتے، بلندی ورفعت اور پستی وزوال ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، اور عروج واقبال اور ادبار وزوال یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اشتراکی مفکرین بڑی غلطی کا شکار ہوئے ہیں، انہوں نے طبقاتی کشمکش کی حتمیت وابدیت اور مظلوم طبقوں کے غلبہ وتفوق کے تصور کی دعوت دی لیکن اپنے نظام حکومت کے قیام کے بعد (جس کو وہ کشمکش کا خاتمہ اور آخری مرحلہ سمجھتے تھے) دوسری کشمکش سے انہوں نے اپنی آنکھیں موند لیں اور آخر انہی مشکلات و پریشانیوں میں وہ بھی گھر گئے جن سے ان کے پیش رو دوچار ہو چکے تھے، اور جس قہر واستبداد اور ظلم وستم کی پہلے مخالفت کرتے چلے آئے تھے، اسی ظلم واستبداد کے راستے کو خود انہوں نے اپنا لیا۔

تاریخ فہمی کی اس غلطی کے نتیجہ میں، موجودہ دنیا کے بہت سے لیڈروں نے ایسے وسائل و اسباب اور منصوبے تیار کیے جن سے کسی کو نفع اور فائدہ نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ چیزیں الٹے نتائج برآمد ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ کتنی تعجب خیز اور حیرت انگیز بات ہے کہ جنہوں نے اپنے مقاصد اور ارادوں کی تکمیل کر لی اور ان کی تحریکیں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوئیں، اور ظلم واستبداد کے وسائل پر، ان کو غلبہ اور فتح حاصل ہوا اور جنھوں نے ظالم نظاموں اور استبدادی حکومتوں کی مخالفت کی اور اپنی آنکھوں سے ان کا زوال وخاتمہ دیکھا وہ خود سابقہ ظالم حکمرانوں کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں اور ان کے پیش رو حکام جس جال میں پھنس چکے تھے اسی جال میں یہ اپنے آپ کو گرفتار کرا رہے ہیں اور سابقہ حکمرانوں کے مثل یہ بھی انجام بد سے دوچار ہو رہے ہیں، تاریخی واقعات وحوادث سے عبرت حاصل کرنے اور تاریخ کو سمجھنے میں اس سے زیادہ عظیم دھوکہ اور کیا ہوسکتا ہے!

موجودہ صدی کے اوائل سے لے کر اس وقت تک تاریخ نے متعدد ایسے نظامہائے حکومت کو زوال پذیر ہوتے دیکھا جو قتل وغارت گری، ظلم واستبداد اور قہر وسختی کرنے، مخالفین کا صفایا کرنے اور مخالف عناصر کا قلع قمع کرنے، اور تمام دروازے اور راستے ان کے لیے بند کر دینے میں اپنی معاصر حکومتوں سے بڑھے ہوئے تھے، لیکن ان کو خود آخر کار طوق وسلاسل سے گذرنا پڑا اور ان کا برا حشر ہوا، آج ان کا نہ کوئی نشان ہے اور نہ کوئی ان کا نام ہی لیتا ہے، جبکہ یہ ان لوگوں کی حکومتیں تھیں جن کا سکہ چلتا تھا، اور جن کے سامنے ادب و احترام میں گردنیں جھکی رہتی تھیں، مگر آہ! آج کی طاقتیں بھول گئیں تاریخ کے مزاج کو، اور ان کو یاد نہیں رہا تاریخ کا یہ درس کہ طاقت وقوت اور ضعف وکمزوری دونوں شب وروز کی طرح گردش کرتے رہتے ہیں۔

سامراجی قوتیں جو ساری دنیا پر چھائی ہوئی تھیں، زوال کا شکار ہوگئیں اور غلاموں کی طرح زندگی بسر کرنے والی کمزور قوموں کو آزادی نصیب ہوئی، روس میں ظالم وجابر قیصر حکومت پر مظلوم مزدوروں کو غلبہ حاصل ہوا، اور اس مٹھی بھر جماعت کو جس نے یہ ستم جھیلے اور سختیاں برداشت کیں، غلبہ وتفوق نصیب ہوا۔ اور نہ جانے کتنے ظالم وجابر اور سرکش ومکار حکمرانوں کا تختہ الٹ گیا۔ ہٹلر (جو ظلم واستبداد کی علامت سمجھا جاتا ہے) اس کو اور اس کی نازی جماعت کو زوال ہوا، برطانیہ کی عظیم الشان سلطنت کا (جس کے رقبہ کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ سورج اس کی سلطنت میں کبھی غروب نہیں ہوتا تھا) یہ حال ہوا کہ سمٹتے سمٹتے اتنی رہ گئی کہ اب دنیا کے چھوٹے ممالک میں شمار کی جانے لگی ہے اور عالمی سیاست میں اس کا کوئی وزن باقی نہیں رہا، حالانکہ کچھ مدت قبل اس کے قبضہ میں دنیا کی کنجیاں تھیں، مگر اب اس کا دبدبہ جاتا رہا اور اس کے معاون اس طرح ختم ہوئے

جیسے پانی میں نمک گھل کر اپنا وجود کھو دیتا ہے، اور عظمت و کبریائی کے جو الفاظ اس کے لیے مستعمل تھے، ان کا مفہوم کو بدل دیا گیا اور عظمت و کبریائی کے بجائے کبر سنی اور قدامت مراد لی جانے لگی، ہر قوت کا یہی انجام ہوتا ہے، خواہ وہ انفرادی ہو، خواہ اجتماعی، کوئی فرد ہو یا کوئی سلطنت و حکومت۔

یہودیوں کے دیکھ لیجئے۔ اسرائیلی لیڈروں کی ایک تعداد کو ابھی تک ہٹلر کے دور حکومت کی سختیاں یاد ہیں اور وہ نسل ابھی موجود ہے جو تباہی و بربادی کا شکار ہوئی تھی، لیکن موجودہ طاقت و قوت نے ان پر جادو کر رکھا ہے، اور نگاہوں پر پردے ڈال دیے ہیں جس کی وجہ سے انھیں اپنی ابتدا اور اپنا آغاز یاد نہیں رہا اور وہ اپنی حقیقت کو کچھ بھول سے گئے ہیں، یہ عدم واقفیت اور لاعلمی ان کو تاریخ کے اس جال میں گرفتار کروادے گی جو ان کے لیے بچھا ہوا ہے اور وہ عالم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

فلسطینی جو یہودیوں کے ظلم و ستم کو جھیل رہے ہیں ایک نہ ایک روز ضرور فتح مند ہوں گے اور وقت کے فرعونوں پر ان کو قوت و غلبہ حاصل ہوگا کیونکہ قانون تکوینی یہی ہے اور تاریخ کا فیصلہ بھی یہی ہے، اور جو اس حقیقت سے ناواقف ہیں وہ نہایت ٹھوس، لازوال اور اٹل حقیقت سے لاعلم ہیں، اس تاریخی ابدی حقیقت کا علم یہودیوں کو اچانک ہوگا۔

فلسفۂ اخلاق، مذاہب عالم اور تاریخی تجربات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سخت ظلم اور سرکشی و زیادتی جب حد سے بڑھ جاتی ہے اور پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو اس کو زوال ہو جاتا ہے اور فرشتۂ اجل ظالم کے پاس پیام موت لے کر آ پہنچتا ہے، یہی سنت الٰہی اور قانون تکوینی ہے جس میں تغیر و تبدیلی نہیں ہوتی۔

☆☆☆

# ظلم کا انجام

’’سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز جو ہے وہ ظلم ہے، دنیا کے سارے مذاہب، سارے کلچر، سارے رفارمرس، سارے صوفی سنت اس بات پر متفق ہیں کہ انسان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے؛ اور ہر مذہب کا انسان، ہر شہر کا انسان، ہر ملک کا انسان، ہر برادری کا انسان، ہر نسل کا انسان، ہر طبقہ کا انسان، ہر سوسائٹی کا انسان، ہر قابلیت کا انسان، ہر صلاحیت کا انسان، مفید ہو یا غیر مفید، وہ خدا کی صنعت ہے اور خدا کی رحمت کا مظہر ہے، ہم اس کو Masterpiece نہیں کہہ سکتے ورنہ اس سے بڑھ کر Masterpiece اور کیا ہوسکتا ہے؟

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے، اس پر اعصابی اور جنون کا دورہ پڑتا ہے اور دورہ فرد (Individual) پر بھی پڑتا ہے سوسائٹی پر بھی پڑتا ہے اور پوری قوم (Nation) پر بھی پڑ سکتا ہے اور پڑتا ہے، اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مرض کا یہ دورہ جنون (پاگل پن) کا یہ دورہ، ظلم و سفاکی کا یہ دورہ، انسانی تحقیر و تذلیل کا یہ دورہ صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ پورے پورے معاشرہ، پوری پوری سوسائٹی، پورے پورے ملک اور پورے پورے عہد پر پڑا ہے، اور یہ دورہ پڑنا کوئی انوکھی اور تعجب خیز بات نہیں ہے، لیکن جو چیز ڈرنے کی ہے اور خطرناک بھی ہے وہ یہ کہ اس دورہ کے دور کرنے والے اور اس بیماری کا علاج کرنے والے لوگ نہ ہوں۔ ہم نے انسانی تہذیب اور نسل انسانی پر ایسے بڑے بڑے دورے پڑتے دیکھے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ تہذیب زندہ نہ رہ سکے گی، اور یہ نسل اب آگے نہ چل سکے گی، لیکن ہمت والے لوگ سامنے آگئے اور انھوں نے واقعات کا رخ بدل دیا، اس کی مثالیں میں آپ کو تاریخ کے مطالعہ کی روشن میں ایک نہیں دس دے سکتا ہوں۔

تاریخ میں ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ بعض اوقات کسی ایک مظلوم مرد کی آہ، اور کسی ایک مصیبت زدہ خاتون کی کراہ سے پورے دور کا خاتمہ ہو گیا ہے، جو بات سب سے زیادہ ملکوں کی خیر خواہی، سچی ہمدردی، حقیقت پسندی، انسانیت کے فرض کی ادائیگی بلکہ اس کے احساس کی ہے، (خواہ اس ملک میں کتنی ترقیاں ہوں اور اس ملک کی تاریخ خواہ کیسی رہی ہو اور اس میں کتنے وسائل و ذخائر ہوں) یہ ہے کہ ظلم نہ ہونے پائے، کسی کمزور آدمی کو روندا نہ جائے، کسی گھر کا چراغ بجھایا نہ جائے، کسی بے زبان عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، اور کسی مظلوم کی بددعا نہ لی جائے!!‘‘

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

(ملک و معاشرہ کا سب سے خطرناک مرض-ظلم و سفاکی)

تفہیم شریعت

# نفقۂ مطلقہ

## شرعی موقف اور عدالتی فیصلوں کا جائزہ

مفتی محمد نصر اللہ ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

اسلام نے خاندانی نظام کو عدل، توازن اور باہمی حقوق وفرائض کی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ نکاح، طلاق، وراثت اور نفقہ سے متعلق احکام اسی جامع نظام کا حصہ ہیں، جن کا مقصد خاندان کے استحکام، افراد کے حقوق کے تحفظ اور معاشرے میں انصاف کے قیام کو یقینی بنانا ہے۔ انہی مسائل میں ایک اہم مسئلہ نفقہ مطلقہ ہے، جو گزشتہ چند دہائیوں سے ہندوستان میں فقہی اور قانونی مباحث کا مرکز بنا ہوا ہے۔

اگرچہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ، ۱۹۳۷ء کے تحت مسلمانوں کے عائلی معاملات میں اسلامی شریعت کو قانونی بنیاد حاصل ہے، لیکن مطلقہ عورت کے نفقہ کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے بعض فیصلوں نے ایسی تعبیرات اختیار کی ہیں جو جمہور فقہائے امت کے مسلمہ موقف سے مختلف ہیں۔ اس بنا پر یہ مسئلہ محض ایک قانونی بحث نہیں رہا بلکہ اس نے فقہی، آئینی اور سماجی تینوں جہات اختیار کرلی ہیں۔ اس موضوع پر سنجیدہ اور متوازن گفتگو کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ ایک طرف اسلامی شریعت کے اصولوں کا صحیح تعارف ہو اور دوسری طرف مطلقہ خواتین کے معاشی تحفظ کے تقاضوں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

**شاہ بانو مقدمہ اور قانونی ارتقا**

ہندوستان میں اس بحث کا نقطہ آغاز ۱۹۸۵ء کا مشہور شاہ بانو مقدمہ ہے۔ سپریم کورٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت فیصلہ دیتے ہوئے فیصلہ دیا کہ اگر مطلقہ مسلمان عورت خود اپنے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہ رکھتی ہو اور اس نے دوسرا نکاح بھی نہ کیا ہو تو وہ عدت کے بعد بھی سابق شوہر سے نفقہ کی مستحق ہوگی۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں سورہ بقرہ کی آیت: ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ سے بھی استدلال کیا۔

اس فیصلے پر ملک کے ممتاز علماء، فقہاء اور مسلم تنظیموں نے علمی اعتراضات کیے۔ ان کا کہنا تھا کہ مذکورہ آیت سے دائمی نفقہ پر استدلال کرنا جمہور مفسرین اور فقہائے امت کی متوارث تشریحات کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ آیت میں مذکور ''متاع'' سے مراد حسنِ سلوک کے طور پر دیا جانے والا عطیہ ہے، نہ کہ ایسا مستقل نفقہ جو آئندہ زندگی بھر جاری رہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی اور ملت کو اس فیصلے کے خلاف متحد کیا، چنانچہ مسلمانوں کے احتجاج کے آگے حکومت کو جھکنا پڑا اور اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے اس فیصلے کے خلاف پارلیمنٹ سے مسلم خواتین (بعد از طلاق حقوق کا تحفظ) ایکٹ، ۱۹۸۶ء پاس کرایا، جس میں مطلقہ عورت کے لیے عدت کے دوران معقول نفقہ، مہر کی مکمل ادائیگی اور اس کے دیگر مالی حقوق کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا۔

بعد ازاں دانیال لطیفی بنام یونین آف انڈیا (۲۰۰۱ء) میں سپریم کورٹ نے اس قانون کی یہ تشریح کی کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ عدت کی مدت کے اندر ایسا "مناسب اور معقول مالی انتظام" کرے جو مطلقہ عورت کی آئندہ ضروریات کو بھی پورا کر سکے۔ اسی تعبیر کو عبدالصمد مقدمہ (۲۰۲۴ء) میں بھی تقویت دی گئی، جس کے نتیجے میں فقہی موقف اور عدالتی تعبیر کے درمیان اختلاف مزید نمایاں ہوگیا۔

**نفقہ کا شرعی تصور**

اسلامی فقہ میں نفقہ سے مراد وہ ضروری اخراجات ہیں جو کسی شخص کی بنیادی ضروریات، مثلاً خوراک، لباس، رہائش اور دیگر ضروری لوازمِ زندگی پر صرف کیے جاتے ہیں۔ فقہائے اسلام نے نفقہ کے وجوب کے اسباب کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: یعنی کسی دوسرے شخص کا نفقہ تین اسباب سے واجب ہوتا ہے: زوجیت، قرابت اور ملکیت۔ (البحر الرائق، ۴/۱۷۳)

بیوی کا نفقہ زوجیت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ چونکہ وہ نکاح کے بعد اپنے آپ کو ازدواجی زندگی کے لیے شوہر کے ساتھ مخصوص کرتی ہے، اس لیے اس کی معاشی کفالت شوہر کے ذمہ قرار دی گئی ہے۔ فقہاء اس کو ''جزاء الاحتباس'' سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی بیوی کے ازدواجی التزام کے بدلے شوہر کی مالی ذمہ داری۔

اسی اصول کی بنا پر جمہور فقہاء کا کہنا ہے کہ جب طلاق کے ذریعے زوجیت کا تعلق ختم ہوجاتا ہے تو نفقہ کا اصل سبب بھی ختم ہوجاتا ہے، الا یہ کہ کوئی دوسرا شرعی سبب موجود ہو، جیسے حمل یا بچوں کی کفالت۔

**نفقہ مطلقہ کے دلائل**

اسلامی احکام کی بنیاد قرآن کریم اور سنتِ نبوی ﷺ پر ہے۔ قرآن مجید نے مطلقہ عورت

کے عدت کے زمانے میں رہائش اور نفقہ کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: ۶) ترجمہ: انہیں اپنی استطاعت کے مطابق وہیں رہائش دو جہاں تم خود رہتے ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لیے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔

اسی آیت میں حاملہ مطلقہ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾۔

یعنی اگر مطلقہ عورت حاملہ ہو تو وضعِ حمل تک اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ سورہ طلاق کی ابتدائی آیات میں مطلقہ عورتوں سے متعلق متعدد احکام یکجا بیان کیے گئے ہیں، جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام ہدایات کا تعلق مدتِ عدت سے ہے:

۱- طلاق دیتے وقت عدت کا لحاظ رکھنے اور اس کی گنتی محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (الطلاق: ۱)

۲- دورانِ عدت مطلقہ عورتوں کو گھروں سے نہ نکالنے اور نہ ان کے خود نکلنے کا حکم دیا گیا، الا یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں: ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق: ۱)

۳- عدت ختم ہونے کے قریب مرد کو فیصلہ کن مرحلے پر پہنچ کر یا تو حسنِ معاشرت کے ساتھ رجوع کرنے یا اچھے انداز میں علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ (الطلاق: ۲)

۴- ایسی عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، ان کی عدت تین ماہ مقرر کی گئی: ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ﴾ (الطلاق: ۴)

۵- نابالغ (جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو) مطلقہ کی عدت بھی تین ماہ مقرر کی گئی: ﴿وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ﴾ (الطلاق: ۴)

۶- حیض والی مطلقہ کی عدت تین قروء (تین حیض یا تین طہر، اختلافِ فقہاء کے مطابق) ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۸)

۷- حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل تک ہے: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۴)

ان تمام احکام کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: ۶)

یعنی ان مطلقہ عورتوں کو، جو عدت گزار رہی ہیں، اپنی استطاعت کے مطابق رہائش فراہم کرو اور انہیں تکلیف پہنچانے یا تنگی میں ڈالنے کی کوشش نہ کرو۔

اس ترتیبِ کلام سے واضح ہوتا ہے کہ رہائش (سکنیٰ) کا حکم بھی انہی معتدات کے بارے میں ہے جن کا ذکر سابقہ آیات میں کیا گیا ہے، خواہ وہ رجعی ہوں یا بائنہ۔ جب شریعت نے عدت کے دوران ان کے لیے سکنیٰ واجب قرار دیا تو اس کے ساتھ ان کی ضروری کفالت اور نفقہ بھی لازم ہوگا، کیونکہ محض رہائش فراہم کر دینا جبکہ کھانے پینے اور دیگر بنیادی ضروریات کا انتظام نہ ہو، سکنیٰ کے مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔

اسی طرح آیت ﴿وَلَا تُضَارُّوهُنَّ﴾ میں جس ضرر رسانی سے منع کیا گیا ہے، اس کا ایک نمایاں مصداق یہ بھی ہے کہ معتدہ کا نفقہ روک کر اسے معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا جائے۔ اس لیے عدت کے دوران رہائش کے ساتھ اس کی کفالت اور نفقہ کا انتظام بھی ضروری ہے۔

ان آیات کے مجموعی سیاق و سباق سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت کا نفقہ صرف مدتِ عدت تک واجب ہے۔ جب عدت ختم ہو جائے تو نفقہ کی ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ قرآنِ کریم نے تمام متعلقہ احکام کو عدت ہی کے ساتھ مقید رکھا ہے، اور عدت کے بعد مستقل نفقہ واجب ہونے پر کوئی صریح قرآنی دلیل موجود نہیں۔

خلاصہ یہ کہ عدت کے بعد سابق شوہر پر مستقل نفقہ واجب نہیں رہتا، کیونکہ زوجیت، جو نفقہ کا اصل سبب تھی، ختم ہو چکی ہوتی ہے۔

اسی لیے فقہی لٹریچر میں نفقہ کے احکام کو ہمیشہ نکاح، عدت، حمل، رضاعت اور حضانت کے ابواب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت نے نفقہ کو ایک منظم خاندانی نظام کے اندر رکھا ہے، جہاں ہر حق کے ساتھ ایک ذمہ داری بھی وابستہ ہے۔

### طلاق کے بعد نفقہ کا شرعی حکم

جمہور فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دوران نفقہ اور رہائش کی مستحق ہوتی ہے، لیکن عدت ختم ہونے کے بعد سابق شوہر پر اس کا مستقل نفقہ واجب نہیں رہتا۔ اس موقف کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ نفقہ کا سبب زوجیت ہے، اور جب زوجیت کا تعلق ختم ہو گیا تو

اس کے ساتھ نفقہ کا وجوب بھی ختم ہو گیا، الا یہ کہ کوئی دوسرا شرعی سبب موجود ہو۔

البتہ عدت کے دوران مطلقہ کی مختلف صورتوں کے اعتبار سے فقہاء نے تفصیلی احکام بیان کیے ہیں۔ طلاقِ رجعی میں چونکہ نکاح کے بعض آثار باقی رہتے ہیں، اس لیے عورت نفقہ اور رہائش دونوں کی مستحق ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مطلقہ حاملہ ہو تو وضعِ حمل تک اس کا نفقہ اور رہائش شوہر کے ذمہ رہتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے۔

احناف کے نزدیک مطلقہ بائنہ بھی عدت کے دوران نفقہ اور سکنیٰ کی مستحق ہے، جبکہ دیگر فقہی مسالک میں اس کی بعض جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اس امر پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد سابق شوہر پر مستقل نفقہ واجب نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ کے متداول ذخیرے میں عدت کے بعد مطلقہ کے دائمی نفقہ کا کوئی معتبر قول موجود نہیں ہے۔

## مطلقہ کے شرعی حقوق

یہ تاثر درست نہیں کہ اسلام نے طلاق کے بعد عورت کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی نے مطلقہ عورت کے متعدد مالی اور سماجی حقوق متعین کیے ہیں، تاکہ اس کے ساتھ ناانصافی نہ ہو اور وہ باوقار زندگی گزار سکے۔

ان حقوق میں مہر کی مکمل ادائیگی، عدت کے دوران نفقہ و رہائش، حضانت و رضاعت سے متعلق مالی حقوق اور بعض صورتوں میں متاعِ طلاق شامل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ (البقرۃ: ۲۴۱)

جمہور مفسرین اور فقہاء کے نزدیک یہاں متاع سے مراد ایسا مالی عطیہ یا تحفہ ہے جو حسنِ سلوک اور دلجوئی کے طور پر دیا جائے، نہ کہ ایسا مستقل نفقہ جو مطلقہ کے نکاحِ ثانی یا وفات تک جاری رہے۔

فقہائے احناف کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق ہو جائے، اس کے لیے متاع واجب ہے، جبکہ دیگر مطلقات کے لیے یہ مستحب ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ متاعِ طلاق اور مستقل نفقہ دو الگ الگ شرعی احکام ہیں، جنہیں ایک دوسرے کا مترادف قرار دینا درست نہیں۔

## مطلقہ خواتین کے معاشی تحفظ کا مسئلہ

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بعض مطلقہ خواتین طلاق کے بعد معاشی مشکلات سے دوچار ہو جاتی ہیں، خصوصاً جب ان کے پاس مستقل ذریعہ معاش نہ ہو یا ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اسلامی شریعت نے اس پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کیا بلکہ اس کے متعدد حل پیش کیے ہیں۔

اگر مطلقہ عورت کے زیرِ پرورش بچے ہوں تو ان کے اخراجات بدستور والد کے ذمہ رہتے ہیں۔ اسی طرح رضاعت اور حضانت کے سلسلے میں بھی بعض صورتوں میں ماں کو مالی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسلام نے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو بھی محتاج افراد کی کفالت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ مزید برآں زکوٰۃ، صدقات، اوقاف اور بیت المال جیسے اجتماعی ادارے اسی مقصد کے لیے مشروع کیے گئے ہیں کہ معاشرے کا کوئی کمزور فرد معاشی تنگی کا شکار نہ رہے۔

یہ بھی حسنِ اخلاق اور اسلامی معاشرت کا تقاضا ہے کہ اگر سابق شوہر اپنی قانونی ذمہ داری سے بڑھ کر مطلقہ عورت کی اعانت کرے تو یہ ایک پسندیدہ اور باعثِ اجرِ عمل ہے، تاہم اسے دائمی شرعی ذمہ داری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عصرِ حاضر میں ایک مفید صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نکاح کے وقت فریقین باہمی رضامندی سے بعض جائز مالی شرائط طے کر لیں، تاکہ اگر مستقبل میں خدانخواستہ علیحدگی کی نوبت آئے تو عورت کو مناسب معاشی تحفظ حاصل ہو سکے۔ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اس نوعیت کی شرائط نہ صرف جائز ہیں بلکہ بہت سے خاندانی تنازعات کے سدباب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہیں۔

اس پورے جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ اصل اختلاف مطلقہ عورت کے حقوق کے انکار یا اقرار کا نہیں بلکہ شرعی حکم اور قانونی تعبیر کے دائرہ کار کا ہے۔

جمہور فقہاء قرآن، سنت اور ائمہ فقہ کی تشریحات کی روشنی میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ عدت کے بعد سابق شوہر پر مستقل نفقہ واجب نہیں رہتا، جبکہ سپریم کورٹ نے قرآنی آیت کی منمانی تفسیر کرتے ہوئے متعلقہ قوانین کی ایسی تشریح اختیار کی ہے جس سے مطلقہ خواتین کے مالی تحفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ شرعی موقف نصوص اور فقہی اصولوں پر قائم ہے، جبکہ عدالتی تعبیر ملکی قانون اور نصِ قرآنی کی غیر معتبر تشریح کی روشنی میں سامنے آئی ہے۔ اس لیے اس مسئلے پر گفتگو کرتے وقت ان دونوں دائروں کے فرق کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موضوع پر جذباتی ردِعمل کے بجائے علمی، فقہی اور قانونی بنیادوں پر سنجیدہ مکالمہ جاری رکھا جائے، تاکہ ایک طرف اسلامی شریعت کے مسلمہ اصول محفوظ رہیں اور دوسری طرف مطلقہ خواتین کے معاشی تحفظ، عزتِ نفس اور سماجی وقار کے تقاضے بھی بہتر انداز میں پورے ہو سکیں۔

☆☆☆

فقہ اسلامی

# کیا اسلام عورت کو مارنے کی اجازت دیتا ہے؟

## قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ایک جائزہ

مولانا منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء)

سورہ نساء آیت نمبر ۳۴ میں ایک خاص پس منظر میں عورتوں کو مارنے کی بات کہی گئی ہے، مستشرقین اور بعض فیمینسٹ مصنفین کو اس پر سخت اعتراض ہے، ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن میں عورتوں کو مارنے کا حکم دیا جانا عورتوں کے ساتھ زیادتی ہے، یہ صنفی مساوات کے ساتھ عورت کی کرامت کے بھی خلاف ہے، اس طرح کی ہدایات سے عورتوں پر تشدد کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ جب اسلام دین رحمت ہے، رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، اور آپ ﷺ نے کبھی ازواج مطہرات میں سے کسی کو نہیں مارا، تو پھر قرآن میں مارنے کی اجازت کیوں دی گئی؟

یہ اعتراضات محض فقہی بحث تک محدود نہیں، بلکہ جدید انسانی حقوق، صنفی مساوات اور خاندانی نظام کے فلسفے سے بھی مربوط ہیں۔

**بیوی کے ساتھ راحت رسانی کی تاکید**

اس آیت میں دئے گئے حکم کو سمجھنے کے لئے اسلام میں عورت کے مقام، اور ان کے حقوق کو سمجھنا ضروری ہے، قرآن کریم اور احادیث میں جہاں عورتوں کے حقوق کے تحفظ پر زور دیا گیا وہیں بار بار عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۔ (البقرہ: ۲۲۸) (اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ایسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق بھی ہیں۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء: ۱۹) اور ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرو۔

حسن معاشرت میں واجب حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اخلاقیات کے تمام تر پہلو شامل ہیں، امام جصاص رازی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”اللہ تعالی کے ارشاد عاشروھن بالمعروف میں شوہروں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہیں، اور اچھے طریقے سے رہنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ شوہر، مہر، نفقہ اور باری میں اس کا پورا پورا حق ادا کرے، سخت گفتگو، اس کی طرف سے بے توجہی اور دوسرے کی طرف مائل ہوکر اسے تکلیف نہ دے، اور نہ ہی بیوی کے کسی گناہ یا قصور کے بغیر اس کے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے۔ (احکام القرآن، ج ۲، ص: ۱۸۳)

**سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۴ کا مطالعہ**

سورہ نساء کی جس آیت میں عورت کو مارنے کی حکم دیا گیا ہے، وہ پوری آیت اس طرح ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا۔ (النساء: ۳۴)

(مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس لئے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں، اور اللہ کی حفاظت سے مرد کی عدم موجودگی میں اپنی عزت وآبرو اور مال واولاد کی حفاظت کرتی ہیں، اور تم کو جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ، خواب گاہ میں ان سے بے تعلقی برتو، اور ان کو مارو، اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کے لئے بہانے مت تلاش کرو، بے شک اللہ تعالی بڑی بلندی اور عظمت والے ہیں۔)

اس آیت میں قانون معاشرت سے متعلق چند بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں، اول خاندانی نظام کی اساس اس پر ہے کہ مرد خاندانی نظام کا سربراہ ہوگا۔ دوم مرد وعورت دونوں کی الگ الگ خوبیاں ہیں، الگ الگ جہتوں سے دونوں کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ سوم: اگر بیوی نافرمانی کرے اور ان باتوں میں شوہر کی حکم عدولی کرے جن میں شوہر کی بات ماننا واجب ہے تو ایسی صورت میں بیوی کی اصلاح ومفاہمت کے چار مراحل ہیں؛ اصلاح ومفاہمت کا پہلا مرحلہ محبت اور نرمی سے پند ونصیحت ہے، یہ کافی نہ ہو تو چند دنوں کے بستر الگ کرلیں، یعنی مخصوص تعلق قائم نہ کریں، اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو مارنے اجازت ہے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے اور بیوی کی اصلاح نہ ہو تو دونوں خاندان سے ایک ایک حکم جمع ہوں، اور اس مسئلہ کو حل کرنے کی تدبیر کریں،

یہ تمام مراحل ناکام یا بے نتیجہ رہیں تب علاحدگی کی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

اس آیت کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کو مارنے کی اجازت ایک خاص پس منظر میں ہے، بیوی شوہر کی نافرمانی کرے، اور خاندان کے سربراہ کی حکم عدولی کرے تو ایسی صورت میں گھر کے نظام کو باقی رکھنے کے لئے عورت کی تنبیہ کے یہ چند تدبیریں ہیں، اور وہ بھی درجہ بہ درجہ، یعنی ایک تدبیر ناکام ہوجائے تب دوسری تدبیر کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ کوئی عام حکم نہیں ہے، بلکہ عورت کی نافرمانی کی صورت میں بطور تدبیر کے ہے۔

**مفسرین کی آراء**

حضرت سعد بن جبیر کہتے ہیں کہ اس آیت میں ضرب سے مراد ضرب غیر مبرح ہے، حضرت ابن عباس اور عطا کی یہی رائے ہے:

(التفسیر الطبری، ج۸، ص: ۳۱۴)

حضرت عطا نے حضرت ابن عباس سے ضرب کا مطلب پوچھا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد مسواک اور اس جیسی کسی چیز سے مارنا ہے۔

(تفسیر القرطبی، ج۵، ص: ۱۷۳)

**احادیث میں "ضرب" کی وضاحت**

عورتوں کے مارنے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے تین طرح کی ہدایات منقول ہیں، اول مارنے کی ممانعت، دوسرے تکلیف دہ مار کی ممانعت، تیسرے مارنے کی کیفیت کی وضاحت

حضرت معاویہ قشیری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ولا تضربوھن ولا تقبحوھن۔ (سنن ابی داؤد، ۲۱۴۴)

(عورتوں کو نہ مارو، اور انہیں برا بھلا نہ ہو)

خود رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو یا کسی عورت کو نہیں مارا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - خَادِمًا لَهُ، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۴)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے جو جامع خطبہ ارشاد فرمایا اس میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، اور تکلیف دہ مار سے منع فرمایا۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا، جب بعض صحابہ نے عورتوں کی سرکشی کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے مارنے کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر جب صحابیات نے اپنے شوہر کے ظلم کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے بیویوں کو مارنے والے شوہر کو ناپسندیدہ قرار دیا۔

(سنن ابی دائود: ۲۱۴۶)

علامہ کثیر نے اس روایت کو اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ کی عورتیں مردوں سے دبتی تھیں، لیکن اس برخلاف مدینہ کی عورتیں مردوں پر حاوی تھیں۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۱۰، ص: ۷۲)

یہ اس دور کے معاشرہ کی عکاسی ہے، اور حقیقت یہی ہے کہ ہر معاشرہ میں دونوں طرح کے مزاج کی عورتیں ہوتی ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں کہ جس مار سے کوئی عیب نہ پیدا ہو، حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو مار جسم پر کوئی اثر نہ چھوڑے۔

(أحکام القرآن للجصاص، ج ۲: ۳۳۸)

رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کی طرح مارنے سے منع فرمایا، ساتھ ہی ایک حکیمانہ نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ العَبْدِ، ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ اليَوْمِ۔

(البخاری: ۵۲۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے:

إذا ضرب أحدكم فليجتنب الوجه۔"

(صحیح مسلم: ۲۶۱۲)

خلاصہ یہ ہے کہ نافرمانی کی صورت میں مارنے کی اجازت ہے، اور یہ علاج اور تدبیر کے طور پر ہے، اس لئے جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ حکم عقل اور فطرت کے خلاف نہیں، بلکہ بعض استثنائی حالات میں ایک اصلاحی تدبیر کے طور پر مشروع قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر المنار میں اس حوالے سے بڑی اچھی بات لکھی ہے:

''عورتوں کو (بعض مخصوص حالات میں) مارنے کی مشروعیت کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عقل یا فطرت کے نزدیک بالکل ناقابلِ قبول ہو کہ اس کی تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ بلکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی ضرورت بعض اوقات ماحول کے بگاڑ اور فاسد اخلاق کے غلبے کی صورت میں پیش آتی ہے۔ اس کی اجازت بھی اسی وقت ہے جب مرد یہ سمجھے کہ عورت کے نشوز (سرکشی) سے باز آنے کا انحصار اسی تدبیر پر ہے۔ لیکن اگر معاشرہ درست ہو جائے، اور عورتیں نصیحت کو سمجھنے لگیں، وعظ و نصیحت سے اثر قبول کریں، یا علیحدگی اور ترکِ تعلق کی تنبیہ سے باز آ جائیں، تو پھر مارنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ شریعت میں ہر حالت کے لیے اسی کے مناسب حکم مقرر کیا

گیا ہے۔اور ہم ہر حال میں عورتوں کے ساتھ نرمی برتنے، ان پر ظلم سے بچنے، انہیں بھلے طریقے سے اپنے نکاح میں رکھنے، یا اچھے انداز سے رخصت کرنے کے پابند ہیں۔عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی رعایت کے بارے میں احادیثِ نبویہ بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔''

(تفسیر المنارج ۵،ص:۶۲)

فقہائے نے عورت کو مارنے سے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے،فقہ کی کتابوں میں جہاں ضرب کی کیفیت کی تفصیلات درج ہیں وہیں یہ بھی درج ہے کہ تکلیف دہ مار پیٹ کی صورت میں عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوتا ہے۔

تکلیف دہ مار پیٹ کے ناجائز ہونے پر جہاں فقہاء کا اتفاق ہے وہیں فقہاء اس بات کے بھی قائل ہیں کہ تکلیف دہ مار پیٹ کرنے والے شوہر کی تعزیر کی جائے گی یعنی اسلامی حکومت میں وہ سزا کا مستحق ہوا،مشہور حنفی فقیہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''اگر بیوی شوہر کے گھر میں رہتی ہو اور اس کے ساتھ کوئی رہنے والا نہ ہو،اور بیوی قاضی سے شکایت کرے کہ شوہر اسے مارتا اور تکلیف دیتا ہے،تو قاضی پڑوسیوں سے پوچھے گا،اگر پڑوسی بیوی کی بات کی تصدیق کردیں تو قاضی شوہر کی تادیب کرے گا،اور اسے بیوی کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم دے گا،اور پڑوسی کو حکم دے گا کہ وہ خاتون کے احوال کی واقفیت حاصل کریں۔''

(بدائع الصنائع، ج ۳،ص:۴۲۹)

فقہائے مارنے کی اجازت کو بعض شرائط کے ساتھ مخصوص کیا ہے،الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

ترجمہ:فقہاء نے اس بات کی شرط لگائی ہے کہ اگر بیوی کے نشوز (نافرمانی) کی صورت میں شرعی تادیب کے طور پر مارنے کی ضرورت پیش آئے،تو یہ مار نہ خون نکالنے والی ہو، نہ سخت اور تکلیف دہ، نہ جسم کو عیب دار کرنے والی، اور نہ ایسی ہو کہ اس سے خوف وہراس پیدا ہو۔اس سے مراد وہ مار ہے جو نہ ہڈی توڑے اور نہ جسم کے کسی عضو کو نقصان یا عیب پہنچائے، جیسے زور سے گھونسا مارنا اور اس جیسی دوسری حرکات؛ کیونکہ اس تادیب کا مقصد صرف اصلاح ہے،اس کے علاوہ کچھ نہیں۔(الموسوعۃ الفقہیۃ، ج ۴۰،ص:۲۹۸)

فقہائے شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگرچہ بیوی کے نشوز کی وجہ سے شوہر کے لیے بطورِ تادیب مارنے کی اجازت ہے، مگر پھر بھی اس کے لیے معاف کر دینا اور مارنے سے اجتناب کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ حق اس کی اپنی ذات اور اس کے اپنے مفاد سے متعلق ہے۔ شافعی فقہاء نے کہا ہے کہ مکمل طور پر مارنے کو ترک کردینا افضل ہے، اور حنبلی فقہاء نے کہا ہے کہ بیوی کو مارنے سے اجتناب کرنا زیادہ مناسب ہے، تاکہ باہمی محبت اور مودت برقرار رہے۔

(حوالہ سابق)

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء نے تادیب کو ایک غیر معمولی، محدود اور اصلاحی تدبیر کے طور پر سمجھا ہے، نہ کہ شوہر کے لیے ایک مطلق یا غیر محدود اختیار کے طور پر۔

فقہ کے چاروں مسالک کی کتابوں میں اس مسئلہ سے متعلق تفصیلات درج ہیں،فقہاء کے تصریحات سے درج ذیل شرائط سامنے آتی ہیں:

۱-نشوز کی حقیقی صورت موجود ہو۔
۲-پہلے وعظ ونصیحت کی جائے۔
۳-پھر بستر کی علیحدگی اختیار کی جائے۔
۴-ضرب آخری تدبیر ہو۔
۵-ضرب غیر مبرح ہو۔
۶-چہرے پر نہ مارا جائے۔
۷-ہڈی نہ ٹوٹے، زخم نہ آئے، نشان نہ پڑے۔
۸-تحقیر، انتقام یا غصہ نکالنا مقصود نہ ہو۔
۹-اگر اصلاح نہ ہو تو ضرب جاری نہ رکھی جائے۔
۱۰-اگر شوہر زیادتی کرے تو وہ تعزیر اور بعض صورتوں میں فسخِ نکاح کا مستحق ہوسکتا ہے۔

موجودہ قانونی،اور سماجی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے متعدد معاصر علماء نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ تادیب کے عملی استعمال سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ موجودہ معاشروں میں اس کے نتیجے میں ظلم، خاندانی انتشار، قانونی پیچیدگیاں اور معاشرتی مفاسد پیدا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے،چنانچہ معاصر علماء کا غالب رجحان یہ ہے کہ خاندانی تنازعات کے حل کے لیے مصالحت، ثالثی، باہمی مشاورت، خاندانی بزرگوں کی مداخلت اور اصلاحی تدابیر کو مقدم رکھا جائے۔ اس طرح ایک طرف نصوصِ شرعیہ کی رعایت باقی رہتی ہے اور دوسری طرف شریعت کے بنیادی مقاصد، یعنی رحمت، عدل اور حسنِ معاشرت کا تحفظ بھی ممکن ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں عورت کو مارنے کی اجازت کوئی عمومی یا مطلق حکم نہیں، بلکہ خاندانی بحران کی صورت میں، متعدد شرائط اور مراحل کے بعد، اصلاحی تدبیر کے طور پر دی گئی ایک اجازت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عملی اسوہ، فقہاء کی تصریحات اور معاصر اسلامی فکر کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا بنیادی مزاج عورت کے ساتھ حسنِ معاشرت، رحمت، عدل اور ظلم سے اجتناب پر قائم ہے، نہ کہ تشدد اور ایذا رسانی پر۔

☆☆☆

**اصلاحِ حال**

# فضول مشغولیات اور ہمارا معاشرہ

مولانا محمد فرمان ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

قرآنِ کریم میں ایمان والوں کے تعارف میں یہ بنیادی بات ذکر کی گئی ہے کہ وہ لغو باتوں سے دور رہتے ہیں۔ (المؤمنون: ۳)

لغو سے مراد وہ کلام اور کام ہے جو بے سود اور بے مطلب ہو، جو زندگی کے اصل مقصد سے غافل کرنے والا ہو۔ لغو نام ہے اس عمل کا جس کا کوئی دنیوی فائدہ نہ ہو۔ صاحب ’معارف القرآن‘ نے لکھا ہے کہ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے، جس میں فائدۂ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر و نقصان بھی ہے، اور اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجبِ مدح ہے۔ ’تفسیرِ ماجدی‘ میں ہے کہ لغو ایک ایسا فعل ہے جس کا نہ کوئی فائدہ اس دنیا میں ہے اور نہ اس کے بعد آنے والی زندگی میں، اس لیے یہ مسلمان کے لیے بے سود ہے۔

لغویات کی سب سے بدترین شکل یہ ہے کہ پوری زندگی بے مقصد گزاری جائے، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اس کی پسند و ناپسند کا کوئی خیال نہ ہو، صرف روٹی، کپڑا، مکان، اور زر، زن، زمین کی فکر ہو۔ اگر معاشرہ پر ایک نگاہ ڈالی جائے اور بغور ایک ایک فرد کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی ایک فرد نہیں، بلکہ نسلوں کی نسلیں لغو والی زندگی گزار رہی ہیں۔ ایسی زندگی کی ترجمانی قرآنِ کریم نے اس طرح کی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ (محمد: ۱۲) (اور جو لوگ کافر ہیں، وہ لطف اٹھاتے ہیں اور ایسے کھاتے پیتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں، اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔)

قرآنِ کریم نے ایک جگہ مقصدِ حیات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۱۵) (کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو یوں ہی پیدا کیا ہے، اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟)۔

لغویات کی ایک شکل یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر یا بلا سوچے سمجھے لغویات اور بے کار کاموں میں پڑا رہے۔ یہ عمل بھی اللہ کی نگاہ میں بہت زیادہ قبیح اور برا ہے۔ قرآنِ کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمان کے بندے وہ ہوتے ہیں کہ: ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ (الفرقان: ۷۲)

(اور جب وہ کسی لغو چیز پر گزرتے ہیں تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔)

اور سورۂ قصص (۵۵) میں ہے:

﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُم سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ﴾۔

(اور جب وہ کوئی فضول بات سنتے ہیں تو وہ روگردانی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم کو سلام، ہم جاہلوں کو پسند نہیں کرتے۔)

جنت میں جنتی جب داخل ہو جائیں گے تو یہی آواز ہوگی کہ:

﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا﴾ (الواقعۃ: ۲۵) (وہ لوگ نہ لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ پر اکسانے والی بات۔)

﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا﴾ (النبأ: ۳۵)

(وہ لوگ وہاں کوئی لغو نہیں سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹی بات۔)

اور سورۂ غاشیہ میں ہے:

﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ (الغاشیہ: ۱۱)

(وہاں کسی طرح کی لغو بات نہیں سنیں گے۔)

ایک مسلمان، کلمہ پڑھنے والا، کبھی حرام کام اور فحش باتوں میں نہیں پڑتا، لیکن لغویات کے ذریعہ وہ آسانی سے حرام میں پڑ سکتا ہے۔ اس وقت لغویات کے بہت سے مظاہر سامنے آ گئے ہیں:

موبائل گیموں میں مصروف رہ کر کئی کئی گھنٹے ضائع کرنا، سوشل میڈیا پر کوئی شوشہ اور پھلجھڑی چھوڑ دینا کہ لوگ اس میں ہفتوں الجھے رہتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حتیٰ الامکان لغو اور فضول باتوں سے بچا جائے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔

’سنن ابن ماجہ‘ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے: ”مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ“ (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔)

حضرت علی زین العابدینؒ نے اپنی مجلسوں کو لغو سے بچانے کا ایک قیمتی اصول ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آدمی اس کے پاس بیٹھے جو اس کے لیے دینی فائدے کا سبب بنے، یا جس کے لیے وہ دینی فائدے کا سبب بنے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دورِ خلافت میں ان کے پاس کچھ پرانے دوست آئے اور کہنے لگے: کچھ وقت ہمارے لیے خالی کیجیے۔ انہوں نے بے قراری سے کہا: ”خالی وقت، خالی وقت! اب کہاں ہے؟ خالی وقت تو اللہ کے یہاں جا کر ملے گا۔“

ہارون رشید کے دربار کا مشہور واقعہ ہے، ایک مداری آیا، اس نے ایسا کرتب دکھایا کہ لوگ حیران رہ گئے۔ اس نے ایک سوئی زمین میں گاڑی، اور اس کے ناکے سے دس سوئیاں گزار دیں۔ لوگوں نے بہت تعجب کیا، اور ہارون رشید کو بھی تعجب ہوا۔ ہارون رشید نے اعلان کیا کہ اس کو سو دینار دیے جائیں اور سو کوڑے لگائے جائیں۔ لوگوں کے پوچھنے پر ہارون رشید نے بتایا کہ سو دینار اس لیے کہ اس نے غیر معمولی کرتب اور اپنے فن کا مظاہرہ کیا، اور سو کوڑے اس لیے کہ اس نے اپنی زندگی کے قیمتی وقت کو لغو اور لایعنی کام میں صرف کیا۔ (متاعِ وقت اور کاروانِ علم، مؤلفہ ابن الحسن عباسی)

قرآنِ کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو امامت وقیادت کا منصب عطا فرمایا تھا، اور ان کو غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور ان کے زمانے کی تمام قوموں پر ان کو فضیلت عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ ان کے یہاں قتل کا واقعہ پیش آیا، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ قاتل کا پتہ چلنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو حکم آیا کہ ایک جانور ذبح کرکے اس کے گوشت کو مقتول کے جسم پر مارا جائے تو مقتول ایک لمحہ کے لیے زندہ ہوگا، اور قاتل کی نشاندہی کر دے گا۔ بنو اسرائیل چونکہ قیل وقال والی قوم تھی، اور وہ مطالبہ میں مخلص بھی نہ تھے، اس لیے انہوں نے جانور کے متعلق سوال پر سوال کرنا شروع کر دیا، پہلے پوچھا: اس کی عمر کیا ہو، اس کا رنگ کیسا ہو، اس کے اوصاف کیا کیا ہوں۔ لایعنی بحثوں میں پڑ گئے، جس کی وجہ سے معاملہ مشکل ہو گیا۔ اگر وہ قیل وقال میں نہ پڑتے اور ایک جانور ذبح کر دیتے تو ان کا کام آسان ہو جاتا۔ تفسیر کی کتابوں میں آیا ہے کہ بڑی مشکل سے وہ جانور ملا، اور اس کے ایک پارچے سے مقتول کے جسم پر مارا گیا اور قاتل کا پتہ چلا۔

اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو ایک مثالی امت بنایا ہے اور اس کے افراد کو قیامت تک منصبِ امامت و قیادت پر سرفراز کیا گیا ہے۔ اس امت کو جہاں ایک طرف سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کے لیے قرآن نے ﴿یَسْأَلُونَكَ﴾ کا جملہ استعمال کیا ہے، دسیوں مقامات میں یہ جملہ وارد ہوا ہے۔ اس سے سوال کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ رسول اکرم ﷺ سے دینی مسائل میں سوال کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ قرآنی آیات کے ذریعہ ان سوالات کی وضاحت فرماتے تھے۔

وہیں دوسری طرف لایعنی سوالات اور لغویات سے بچنے کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ حج کے بارے میں فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کی عبادت کو فرض فرمایا ہے۔ اس پر ایک صاحب نے کہا: ** کیا ہر سال، اے اللہ کے رسول؟ ** رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، پھر فرمایا کہ اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں، ہر سال، تو حج ہر سال فرض ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (المائدة: ۱۰۱) (اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں نہ پوچھا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں، اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت پوچھو گے جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ نے ان سوالات کو معاف کر دیا ہے، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بردبار ہے۔)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ (جس چیز سے میں تمہیں منع کروں، اس سے رک جاؤ، اور جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں، اس پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ انہوں نے کثرت سے سوالات کیے اور اپنے انبیاء سے بے جا اختلاف کیا۔)

لغویات سے بچنے کا سب سے آسان نسخہ یہ ہے کہ وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کو پہچانا جائے، اور چوبیس گھنٹے کے عمل کو مرتب کیا جائے، اور اعتدال کا خیال رکھتے ہوئے اپنے کاموں کو آگے بڑھایا جائے، اور برابر محاسبۂ عمل بھی جاری رہے تا کہ کوئی کمی نہ آنے پائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۔۳) (یقیناً فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، اور جو لغویات اور فضول باتوں سے دور رہتے ہیں۔)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

**محاسن اسلام**

# ڈیجیٹل عہد میں اسلامی اقدار کا تحفظ

ڈاکٹر مفتی سہیل ندوی (تلنگانہ)

انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسے انقلابات رونما ہوئے ہیں جنہوں نے زندگی کے دھارے کو یکسر بدل دیا، مگر موجودہ دور کا ڈیجیٹل انقلاب اپنی وسعت، رفتار اور ہمہ گیر اثرات کے اعتبار سے بے مثال حیثیت رکھتا ہے۔ آج کا انسان ایک ایسی دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے جہاں معلومات کا ایک نہ ختم ہونے والا سیلاب ہر لمحہ اس کے ذہن و قلب کو متاثر کر رہا ہے۔ انٹرنیٹ، اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا نے دنیا کو حقیقتاً ایک عالمی گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں فاصلے تو سمٹ گئے ہیں مگر فکری، تہذیبی اور اخلاقی چیلنجز میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے صرف افراد ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے متاثر ہو رہے ہیں، اور بالخصوص مسلم معاشرہ اس کے گہرے اثرات کا سامنا کر رہا ہے۔ ڈیجیٹل دنیا نے جہاں علم و آگہی کے دروازے وسیع کیے ہیں، وہیں اس نے فتنوں کے راستے بھی ہموار کر دیے ہیں۔ آج خیر و شر، حق و باطل اور نفع و نقصان سب کچھ ایک ہی اسکرین پر جمع ہو چکا ہے۔ ایسے میں ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ وہ اس سیلابِ معلومات میں اپنی دینی شناخت، ایمانی اساس اور اخلاقی اقدار کو کس طرح محفوظ رکھے۔

اسلام ایک جامع ضابطۂ حیات ہے جو انسان کو محض عبادات تک محدود نہیں کرتا بلکہ اس کی پوری زندگی کو منظم کرتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو غور و فکر، تدبر اور شعور کے ساتھ زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہی شعور آج کے ڈیجیٹل دور میں سب سے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ جب شعور ختم ہو جاتا ہے تو انسان ٹیکنالوجی کا غلام بن جاتا ہے، اور جب شعور زندہ ہوتا ہے تو وہی ٹیکنالوجی انسان کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ موجودہ ڈیجیٹل کلچر نے انسانی رویوں میں بھی گہری تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ صبر و تحمل کی جگہ عجلت، گہرائی کی جگہ سطحیت اور حقیقت کی جگہ محض تاثر نے لے لی ہے۔ لوگ تحقیق کے بجائے افواہوں پر یقین کر لیتے ہیں اور سنجیدہ مطالعہ کے بجائے سنسنی خیزی کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تمام رویے اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں، جو تحقیق، عدل، دیانت اور حسنِ اخلاق کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔

ڈیجیٹل دور کی سب سے نمایاں خصوصیت آزادیٔ اظہار ہے، جس نے ہر فرد کو ایک ایسا پلیٹ فارم فراہم کر دیا ہے جہاں وہ اپنی رائے اور خیالات کو بآسانی دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ بظاہر یہ ایک مثبت پیش رفت ہے، مگر جب یہی آزادی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے تو یہ فساد اور اخلاقی زوال کا سبب بن جاتی ہے۔ اسلام اظہارِ رائے کی اجازت ضرور دیتا ہے، مگر اسے سچائی، عدل اور خیر کے دائرے میں محدود کرتا ہے۔ قرآن کریم سیدھی اور درست بات کہنے کی تلقین کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ مومن کو یا تو بھلی بات کہنی چاہیے یا خاموش رہنا چاہیے۔ مگر آج سوشل میڈیا پر غیر ذمہ دارانہ اظہار عام ہو چکا ہے۔ بغیر تحقیق کے خبریں پھیلانا، جذبات میں آ کر سخت زبان استعمال کرنا اور اختلاف کو دشمنی میں بدل دینا ایک معمول بنتا جا رہا ہے۔ اسی طرح غیبت، بہتان اور کردار کشی جیسے سنگین گناہ بھی ڈیجیٹل دنیا میں عام ہو گئے ہیں، حالانکہ اسلام نے انہیں نہایت سختی سے ممنوع قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے الفاظ کو خیر، امن اور اصلاح کا ذریعہ بنائے، نہ کہ نفرت اور انتشار کا۔

اسی تناظر میں جھوٹی خبروں اور افواہوں کا مسئلہ بھی نہایت سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ سوشل میڈیا نے خبر کی ترسیل کو نہایت تیز کر دیا ہے، مگر اس کے ساتھ تحقیق کا عنصر کمزور پڑ گیا ہے۔ لوگ بغیر تصدیق کے خبریں آگے بڑھا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرتی انتشار اور بداعتمادی جنم لیتی ہے۔ اسلام نے خبر کی تحقیق کو بنیادی اصول قرار دیا ہے اور بغیر تحقیق کے کسی بات کو آگے بڑھانے سے منع کیا ہے۔ آج ہر فرد ایک ناشر بن چکا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی ہے کہ وہ ہر خبر کو پرکھے اور اس کی صداقت کو جانچے۔ جلد بازی، غیر مستند ذرائع پر اعتماد اور توجہ حاصل کرنے کی خواہش جھوٹی خبروں کے پھیلاؤ کے بڑے اسباب ہیں، اور ان سب کا علاج اسلامی اصولِ تحقیق میں موجود ہے۔

ڈیجیٹل دنیا کا ایک اور بڑا چیلنج فحاشی اور عریانی کا فروغ ہے، جو نہایت تیزی سے معاشرے میں سرایت کر رہا ہے۔ موبائل فون اور انٹرنیٹ نے ہر قسم کے مواد کو انسان کی دسترس میں لا دیا ہے، جس کے باعث غیر اخلاقی مناظر تک

رسائی انتہائی آسان ہوگئی ہے۔ اسلام نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے اور نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ ڈیجیٹل ماحول میں اس حکم کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہاں نظر کی حفاظت صرف باہر نہیں بلکہ اسکرین کے ذریعے بھی کرنی ہوتی ہے۔ ایک معمولی سی غفلت انسان کو گناہ کی طرف لے جاسکتی ہے اور اس کے دل کی پاکیزگی کو متاثر کرسکتی ہے۔ اس لیے ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی آنکھوں، دل اور فکر کی حفاظت کرے اور ہر اس چیز سے دور رہے جو اس کے ایمان کو کمزور کرتی ہو۔

اسی طرح وقت کا ضیاع بھی ڈیجیٹل دور کا ایک خاموش مگر خطرناک مسئلہ ہے۔ بظاہر انسان مصروف دکھائی دیتا ہے، مگر اس کی بڑی مصروفیت غیر مفید ڈیجیٹل سرگرمیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سوشل میڈیا اسکرول کرنا، غیر ضروری ویڈیوز دیکھنا اور بے مقصد بحثوں میں الجھنا انسان کو غیر محسوس طریقے سے خسارے میں ڈال دیتا ہے۔ اسلام نے وقت کو ایک عظیم نعمت قرار دیا ہے اور اس کے صحیح استعمال پر زور دیا ہے۔ ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کو بامقصد بنائے اور اسے خیر و بھلائی میں صرف کرے، کیونکہ یہی وقت اس کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کرے گا۔

نوجوان نسل اس ڈیجیٹل انقلاب سے سب سے زیادہ متاثر ہو رہی ہے۔ ان کی زندگی، سوچ اور طرزِ عمل پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ شناخت کا بحران، غلط رول ماڈلز کی تقلید، تنہائی اور گمراہ کن نظریات جیسے مسائل ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ سوشل میڈیا کی چمک دمک انہیں اپنی اصل شناخت سے دور کرسکتی ہے، اور اگر بروقت رہنمائی نہ ملے تو وہ اپنی دینی اور تہذیبی بنیادوں کو کھو سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ انہیں قرآن و سنت سے جوڑا جائے، ان کے اندر دینی شعور پیدا کیا جائے اور انہیں صحیح رہنمائی فراہم کی جائے۔ والدین اور اساتذہ کو چاہیے کہ وہ محبت، حکمت اور اعتماد کے ساتھ ان کی تربیت کریں، تاکہ وہ اس دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرسکیں۔

اس کے باوجود ڈیجیٹل دنیا صرف چیلنجز کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک عظیم موقع بھی ہے، خصوصاً دعوتِ دین کے میدان میں۔ آج ہر فرد اپنی بات کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا سکتا ہے، اور یہ سہولت تاریخ میں پہلے کبھی میسر نہ تھی۔ اگر اس موقع کو حکمت، اخلاص اور علم کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہ ایک مؤثر دعوتی ذریعہ بن سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ دعوت کا انداز نرم، مدلل اور حکیمانہ ہو، کیونکہ سختی اور شدت پسندی لوگوں کو دور کر دیتی ہے۔ ایک بامقصد پیغام لاکھوں لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے، بشرطیکہ اسے صحیح انداز میں پیش کیا جائے۔

ڈیجیٹل دنیا نے انسان کی ایک نئی شناخت بھی تشکیل دی ہے، جسے ڈیجیٹل شناخت کہا جاتا ہے۔ آج انسان کی آن لائن سرگرمیاں اس کی شخصیت کا آئینہ بن چکی ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ڈیجیٹل شناخت بھی اس کے ایمان اور اخلاق کی عکاس ہو۔ سچائی، شائستگی، دیانت اور ذمہ داری وہ اوصاف ہیں جو ایک مسلمان کی پہچان ہونے چاہئیں۔ آن لائن اور آف لائن زندگی میں تضاد ایک مومن کے شایانِ شان نہیں، بلکہ اسلام ظاہر و باطن کی یکسانیت کی تعلیم دیتا ہے۔

خاندانی نظام پر بھی ڈیجیٹل دور کے اثرات نمایاں ہیں۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے افراد ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں، کیونکہ ہر شخص اپنی اسکرین میں مصروف ہے۔ اس صورتحال نے خاندانی تعلقات کو کمزور کیا ہے اور باہمی گفتگو کو محدود کر دیا ہے۔ اسلام خاندانی نظام کو مضبوط بنانے پر زور دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ڈیجیٹل استعمال میں توازن قائم کیا جائے اور خاندانی وقت کو محفوظ رکھا جائے۔

ان تمام چیلنجز کے پیش نظر ایک متوازن اور مؤثر ڈیجیٹل زندگی کے لیے ضروری ہے کہ انسان ایمان و تقویٰ کو اپنی بنیاد بنائے، علم و شعور حاصل کرے، اپنے وقت میں نظم و ضبط پیدا کرے اور اپنے اخلاق و کردار کو ہر حال میں مقدم رکھے۔ ڈیجیٹل ذرائع کو مثبت کاموں کے لیے استعمال کیا جائے اور اپنی آن لائن موجودگی کو خیر اور اصلاح کا ذریعہ بنایا جائے۔ ساتھ ہی خاندانی اور اجتماعی ذمہ داری کو بھی محسوس کیا جائے، کیونکہ ایک مضبوط معاشرہ اجتماعی کوششوں سے ہی وجود میں آتا ہے۔

آخر میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ دنیا ایک عارضی مقام ہے اور ڈیجیٹل دنیا بھی اسی عارضی زندگی کا حصہ ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے، جس میں کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب انسان شعور، تقویٰ اور ذمہ داری کے ساتھ اس کا استعمال کرے۔ اگر ہم نے اس ٹیکنالوجی کو صحیح رخ دے دیا تو یہی ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے، اور اگر ہم غفلت کا شکار ہوگئے تو یہی ہمارے لیے خسارے کا سبب بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس دور کے فتنوں سے محفوظ رکھے، ہمیں صحیح شعور عطا فرمائے اور ہمیں اپنی زندگی کو اسلامی اقدار کے مطابق گزارنے کی توفیق دے، آمین!

☆☆☆

علماء سلف

میں بہر حال کتابوں میں ملوں گا تم کو

# بعض اہم کتابوں کی دلچسپ وجہ تالیف

ڈاکٹر محمد اعظم ندوی (استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد)

علم وادب کی تاریخ میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی تالیف کا سبب نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہے، کبھی کوئی خواب کسی شاہ کار کتاب کا محرک بنا، کبھی کسی اتفاقی واقعے نے قلم اٹھوایا، کبھی کسی استاذ کی ایک بات دل میں اتر گئی اور تاریخ بدل گئی۔ ذیل میں ایسی ہی چند مشہور کتابوں کی وجہ تالیف بیان کی جاتی ہے۔

## صحیح بخاری

### ایک خواب اور ایک مشورہ

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی "الجامع الصحیح" جسے دنیا "صحیح بخاری" کے نام سے جانتی ہے، قرآن کریم کے بعد سب سے معتبر اور مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تالیف کے پیچھے دو واقعات کارفرما ہیں۔

پہلا واقعہ ایک علمی محفل سے متعلق ہے۔ خود امام بخاری فرماتے ہیں:

**"كنا عند إسحق بن راهويه فقال: لو جمعتم كتاباً مختصراً لصحيح سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوقع ذلك في قلبي، فأخذت في جمع الجامع الصحيح"**

(مقدمہ فتح الباري: 9/1)

(ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا: اگر تم رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث پر مشتمل ایک مختصر کتاب جمع کرلو تو بہت اچھا ہو، یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی، چنانچہ میں نے "الجامع الصحیح" کی تالیف کا کام شروع کردیا)۔

دوسرا محرک ایک خواب تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے معتبر سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ امام بخاری نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، گویا میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ ﷺ کی طرف سے مکھیوں کو ہٹا رہا ہوں۔ جب میں نے معبّرین سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا: تم نبی ﷺ کی طرف سے جھوٹ کو دور کروگے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: یہی وہ چیز تھی جس نے مجھے "الجامع الصحیح" کی تصنیف پر آمادہ کیا۔

(ہدی الساری، ص:9، الفصل الاول)

گویا ایک جانب استاد کا علمی مشورہ تھا اور دوسری جانب احادیثِ نبوی ﷺ کی خدمت کا جذبہ، اور انہی دو محرکات سے وہ کتاب معرضِ وجود میں آئی جو آج تک احادیث کی سب سے معتبر کتاب کہلاتی ہے۔

## معجم البلدان

### ایک لفظ کے تلفظ کی بحث

یاقوت بن عبداللہ الحموی کی مشہور جغرافیائی کتاب "معجم البلدان" کی تالیف کا سبب بھی نہایت دلچسپ ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ 615ھ میں جب وہ مرو شاہجہان میں امام تاج الدین سبکی کی مجلسِ علمی میں حاضر تھے، تو ان سے حدیثِ نبوی میں مذکور ایک قدیم بازار "الحُباشَة" کے بارے میں پوچھا گیا۔ یاقوت نے اسے "حا" کے ضمہ کے ساتھ یعنی "الحُباشَة" پڑھا، تو وہاں موجود ایک محدث نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ "حا" پر فتحہ ہے یعنی "الحَباشَة"، اور وہ اپنی بات پر اڑ گئے۔

یاقوت کہتے ہیں: یہ معاملہ عقل وقیاس سے طے ہونے والا نہ تھا، کوئی معتمد کتاب بھی وہاں دستیاب نہ تھی، حالانکہ مروٗ اس وقت کتب خانوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ بہت تلاش کے بعد عرصۂ دراز میں وہ لفظ مل گیا اور الحمدللہ یاقوت کا موقف ہی درست ثابت ہوا، لیکن اس تکلیف دہ تجربے نے انہیں شدت سے محسوس کرایا کہ ایسی کتاب کتنی ضروری ہے جس میں جغرافیائی ناموں کو ضبط واتقان کے ساتھ درج کیا گیا ہو۔ بس یہی احساس "معجم البلدان" کی تالیف کا سبب بنا۔

(مقدمہ معجم البلدان: 18/1)

ایک لفظ کا تلفظ، ایک علمی بحث، اور دنیا کو ایک ایسی کتاب مل گئی جو صدیوں تک جغرافیے اور تاریخ کا مرجع رہی ہے اور اب بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

## تاریخ الاسلام

### کسی کی ادھوری خواہش کی تکمیل

امام ذہبی رحمہ اللہ کی عظیم تصنیف "تاریخ الاسلام" کا پس منظر بھی کم دلچسپ نہیں۔ محمد بن

طرخان روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام حمیدی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علمِ حدیث میں تین موضوعات پر توجہ دینا ضروری ہے: کتاب العلل، اس پر دارقطنی کے بعد کیا لکھا جائے؛ **المؤتلف والمختلف**، اس پر امیر ابن ماکولا کی "الإکمال" سے بہتر کیا تیار ہوگا؛ اور وفیات المشائخ۔ پہلے دو موضوعات پر عمدہ کتابیں موجود تھیں، لیکن تیسرے یعنی "وفیات المشائخ" پر کوئی جامع کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ حمیدی نے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر کتاب تصنیف کریں گے، اور امیر ابن ماکولا نے مشورہ دیا کہ پہلے سنین کے اعتبار سے اور پھر حروفِ معجم کے مطابق ترتیب دیں، لیکن حمیدی صحیحین کی خدمت میں مشغول ہوگئے اور اس ارادے کو پورا کیے بغیر دنیا سے رخصت ہوگئے۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱۲۲۰/۴)

امام ذہبی فرماتے ہیں: ''ہم نے امیر کے اشارے کو قبول کرلیا اور اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' کو اسی نقشے کے مطابق مرتب کیا'' یعنی ایک بزرگ کی ادھوری خواہش، امام ذہبی کے ہاتھوں پوری ہوئی اور تاریخِ اسلام کی ایک لازوال کتاب وجود میں آئی۔

## کتاب الحماسة

### برف باری کا تحفہ

عربی ادب کی مشہور منتخب کتاب "کتاب الحماسة" کے مصنف ابوتمام الطائی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس کتاب کے انتخاب میں اپنے شعر سے بھی بڑھ کر شاعر نظر آتے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف کا سبب ایک دلچسپ اتفاق ہے۔ ابوتمام خراسان میں عبداللہ بن طاہر کی مدح و توصیف سے فارغ ہوکر عراق واپس لوٹ رہے تھے۔ راستے میں ہمدان پہنچے تو ابو الوفاء بن سلم نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا اور خوب مہمان نوازی کی۔ اگلے دن شدید برف باری نے راستہ بند کردیا۔ ابوتمام کو یہ صورتِ حال پریشان کن لگی، البتہ میزبان کو خوشی ہوئی کہ محبوب مہمان مزید قیام پذیر رہیں گے۔ انہوں نے ابوتمام کو اپنے کتب خانے کی سیر کرائی۔

ابوتمام ان کتابوں میں ایسے کھوگئے کہ اسی قیام کے دوران انہوں نے پانچ کتابیں تصنیف کیں، جن میں "کتاب الحماسة"، "الوحشیات" "فحول الشعراء" اور "مختار شعراء القبائل" شامل ہیں۔ یہ کتاب پہلے آلِ سلم کے کتب خانے میں محفوظ رہی اور وہ اسے دوسروں سے چھپاتے رہے، یہاں تک کہ حالات بدلے اور یہ اصفہان پہنچی، جہاں کے ادباء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پھر یہ کتاب اس قدر مشہور ہوئی کہ پوری دنیا میں پھیل گئی۔ گویا سفر کی رکاوٹ، جو بظاہر ایک مشکل تھی، علم کی دنیا کے لیے نعمت ثابت ہوئی۔

(تاریخ آداب العرب، رافعی 3/267)

## الإحاطة في أخبار غرناطة

### حبِ وطن کی دین

مشہور اندلسی عالم لسان الدین بن الخطیب کی مشہور تصنیف ''الإحاطة في أخبار غرناطة'' جو غرناطہ کی تاریخ پر ایک جامع کتاب ہے، اس کی تالیف کا سبب ایک لطیف جذبے سے عبارت ہے۔

ابن الخطیب فرماتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ اہلِ علم نے اپنے اپنے شہروں کی تاریخ مستقل طور پر محفوظ کی ہے، ''تاریخ بخارا''، "تاریخ اصفہان"، "تاریخ نیشاپور"، تو میرے دل میں ایک عصبیت نے جنم لیا، ایسی عصبیت جو دین کے وقار سے متصادم نہیں، اور ایک ایسی حمیت پیدا ہوئی جس پر ملامت نہیں کی جاتی۔ یہ جذبہ تھا اپنے شہر غرناطہ کی علمی خدمت کا، اپنے وطن کو تاریخ میں زندہ رکھنے کا۔

چنانچہ انہوں نے اس کتاب کو دو حصوں میں مرتب کیا: پہلا حصہ غرناطہ کے مقامات اور عمارتوں کے بیان میں، اور دوسرا حصہ وہاں کے علماء، ادباء اور تاریخی شخصیات کے احوال پر۔ یہ کتاب دراصل علمی حب الوطنی (Intellectual Patriotism) کی ایک شاندار مثال ہے۔

(الإحاطة في أخبار غرناطة 6/1)

ان تمام واقعات میں ایک مشترک سبق ہے: عظیم کتابیں اکثر اتفاقی حالات، روزمرہ کی ضروریات اور فطری جذبات سے جنم لیتی ہیں۔ کبھی ایک خواب، کبھی ایک تلخ تجربہ، کبھی راستہ روکنے والی برف باری، اور کبھی اپنے وطن سے محبت۔ یہی چھوٹے چھوٹے لمحات تاریخ کی عظیم ترین کتابوں کا سبب بن جاتے ہیں۔ گویا علم کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہر مشکل، ہر اتفاق اور ہر جذبے میں کسی نہ کسی کتاب کا بیج چھپا ہوتا ہے، بشرطیکہ اسے پہچاننے اور سینچنے والا کوئی ہو، جیسا کہ ان علم کے متوالوں نے کر دکھایا اور کہہ گئے:

جسم تو خاک ہے اور خاک میں مل جائے گا
میں بہر حال کتابوں میں ملوں گا تم کو!

☆☆☆

**علم نافع**

# سائنسی علوم میں علمائے دین کی دلچسپی

ڈاکٹر سید عبدالرشید ندوی (اسسٹنٹ پروفیسر، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ)

علم ایک اکائی ہے، جس کو دنیوی اور اخروی خانوں میں بانٹنے کا اسلام قائل نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب دراصل علم نافع کے ارتقاء میں تعاون کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں دینی و مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ طبیعی اور سائنسی علوم کی بھی ترقی ہوتی ہے، اور تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں؛ کیوں کہ منبر ومحراب سے جو صدا لگائی جاتی تھی، وہ علمائے دین کے ساتھ طبیعیات کے ماہرین کو بھی مہمیز کرتی تھی۔ اسلامی تاریخ میں ایک طرف ہمیں دینی علوم کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے، جن کے تذکروں سے تراجم وطبقات کی کتابیں پر ہیں، ساتھ ہی سائنسی علوم کے ماہرین کا بھی بکثرت تذکرہ ملتا ہے، جو علوم وفنون پر لکھی گئی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔

ان کتابوں میں ہمیں ایک خوبصورت پہلو یہ ملتا ہے کہ بعض شخصیات متعدد میدانوں میں مہارت رکھنے والی تھیں، مثلاً تفسیر کے ساتھ حدیث، فقہ، لغت، ادب وغیرہ میں مہارت، یا ریاضیات کے ساتھ فلکیات، طب کے ساتھ صیدلہ اور تاریخ کے ساتھ سماجیات اور عمرانیات میں مہارت۔ لیکن اس سے بڑی خوبصورت بات یہ نظر آتی ہے کہ بعض شخصیات دو متقابل میدانوں میں بھی مہارت حاصل کرتی تھیں، مثلاً طب کے ساتھ حدیث، فلسفہ کے ساتھ فقہ اور فلکیات کے ساتھ حدیث۔

اسلامی تاریخ میں پہنچنے والی ان جامع شخصیات کی تربیت کے پس پشت کارفرما اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ اس زمانہ میں ہمتیں بہت بلند ہوتی تھیں۔ ہر فن میں اونچی مثالیں سامنے رہتی تھیں، ہر میدان میں حوصلہ مند اور بلند نظر شخصیات اپنے بعد والوں کے لئے ایک نیا سنگ میل طئے کرنے کا جذبہ پیدا کر جاتی تھیں۔

دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ بنیادی نصاب تعلیم مشترک تھا، اور اس میں دینی اور عصری علوم کا امتزاج تھا، ایک مرحلہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی دلچسپی کے اعتبار سے اختصاص اختیار کرنے کے راستے کھلے رہتے تھے۔

تیسرا سبب، جو گذشتہ اسباب کی بھی وجہ تھا، وہ قرآنی رنگ اور آہنگ تھا جو تہذیب اسلامی کی روح میں سرایت کیا ہوا تھا۔ در اصل قرآنی تعلیمات غور وفکر کا مزاج پیدا کرتی ہیں، اور مطالعہ کرنے والے کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں، یہ غور وفکر انسان کے اختصاص کے میدان میں مزید واقفیت اور تحقیق کے دروازے کھولتا ہے۔ علوم کی ترقی کا بڑا سبب اندرونی جذبہ اور لگن ہے، اور قرآنی تعلیمات لگن اور انہماک پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ قرآن کریم نے لوگوں کی توجہ کائنات کی طرف مبذول کرانے کے لئے نباتات، حیوانات اور معدنیات کا متعدد جگہ تذکرہ کیا ہے۔ تلاوت کرنے والوں کو اجرام سماوی میں غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ مظاہر قدرت کی نیرنگی کو خالق کے وجود کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ جس سے ہمیں ان کائناتی عناصر کی جانب قرآن کریم کی خصوصی توجہ معلوم ہوتی ہے۔

علم کے قرآنی مفہوم کا اثر تھا کہ ہمیں تاریخ اسلامی میں متعدد ایسے علماء ملتے ہیں، جو مذہبی علوم کے ساتھ سائنسی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ جس کی چند مثالیں یہاں دی جاتی ہیں:

عبداللطیف بغدادی (۱۱۶۲ء تا ۱۲۳۱ء) ایک مشہور طبیب ہیں۔ انہوں نے ایک طرف علم حدیث میں اتنا اونچا مقام حاصل کیا کہ امام منذری اور ابن عساکر جیسے محدثین نے ان سے سند حاصل کی (ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۲۲/۲۲۰) دوسری طرف طب میں بلند مرتبوں پر فائز ہوئے، کئی ممالک کا سفر کر کے علم طب حاصل کیا، پھر انہوں نے علم حدیث اور علم طب دونوں کو جمع کیا، اور 'كتاب الاربعين الطبية المستخرجة من سنن ابن ماجه وشرحها' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو طبع ہو چکی ہے۔ بغدادی نے تجرباتی طب پر زور دیا، انہوں نے جالینوس کے اس قول کی صحت جانچنے کے لئے کہ انسان کا نیچے کا جبڑا دو ہڈیوں سے مل کر بنتا ہے، قبرستانوں اور کوڑے خانوں کے چکر کاٹے، اور بالآخر کئی کھوپڑیوں کے مشاہدے کے بعد کہا کہ یہ قول غلط ہے، نچلا جبڑا صرف ایک ہڈی پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا (رحاب عکاوی، الموجز فی تاریخ الطب عند العرب، ص ۲۹۲)۔

ابن النفیس علاء الدین (۱۲۱۰ء تا ۱۲۸۸ء) مصر کے مشہور طبیب تھے، انہوں نے ایک طرف علم حدیث میں دسترس حاصل کی، اور اصول حدیث پر 'كتاب مختصر في علم اصول الحديث' تصنیف کی۔ دوسری طرف علم طب میں اس قدر اونچا مقام پیدا کیا کہ تاریخ طب میں سب سے پہلے گردش خون کا نظریہ پیش کیا، اور

دوران خون کی وضاحت کی، جو بعد میں ہسپانوی طبیب مائکل سرویٹس (وفات ۱۵۵۳ء) اور انگریزی طبیب ولیم ہاروے (وفات ۱۶۵۶ء) کی طرف منسوب ہوا (دیکھئے: زغرید ہونکہ، شمس العرب تسطع علی الغرب، ص ۲۶۵)۔

ابن شاطر کے نام سے معروف علاء الدین علی بن ابراہیم (۱۳۰۴ء تا ۱۳۷۵ء) چودھویں صدی عیسوی کے ایک ماہر ریاضیات اور فلکیات ہیں، کئی فلکیاتی آلات تیار کئے، اور ایک اسطرلاب بھی بنایا تھا (نعیمی، الدارس فی تاریخ المدارس، ۲/۲۹۸)۔

وہ ایک عظیم سائنس داں تھے اور موجد تھے۔ اوقات نماز کی تعیین کے لئے خود ایک دھوپ گھڑی ایجاد کی تھی، جس کا نام 'وسیط' رکھا تھا۔ اور اسے شہر دمشق کی قدیم اور مشہور جامع اموی کے ایک مینار پر نصب کیا تھا، جامع اموی میں تین مینار ہیں، جس مینار پر گھڑی نصب تھی، اس کا نام منارۃ العروس تھا۔ زندگی کا بڑا حصہ دمشق میں گذارا، جہاں وہ صدر مؤذن تھے۔ اور نمازوں کے اوقات کے ذمہ تھے (ابن العماد حنبلی، شذرات الذہب، ۲/۴۳۵)۔

یہ وہ علما تھے جنہوں نے دینی علوم کو حاصل کرتے ہوئے سائنسی علوم میں اختصاص پیدا کیا تھا، اور اسی میں شہرت حاصل کی تھی۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں ایسے علماء بھی ملتے ہیں، جنہوں نے سائنسی علوم حاصل کرتے ہوئے دینی علوم میں اختصاص پیدا کیا، جن میں سے چند کا تذکرہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

امام ابوحاتم ابن حبان (۸۸۴ء تا ۹۶۵ء)، علم حدیث ورجال کے مشہور عالم ہیں۔ انہوں نے حدیث کے ساتھ طب اور علم نجوم بھی حاصل کیا تھا۔ بلکہ دیگر علوم پر بھی دست گاہ رکھتے تھے۔

تاج الدین سبکی نے لکھا ہے: '**وکان من فقہاء الدین وحفاظ الآثار، عالما بالطب والنجوم وفنون العلم**' (تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ، ۳/۱۳۲)، 'وہ دین کے فقیہ اور حافظ تھے، طب، علم نجوم اور دیگر فنون میں دست گاہ رکھتے تھے۔' منقول اور معقول کو جمع کرنے کی وجہ سے علم حدیث میں جب تصنیف کے لئے قلم اٹھایا، تو شاہراہ عام سے الگ راستہ کیا، اپنی کتاب التقاسیم والانواع کو جو صحیح ابن حبان کے نام سے جانی جاتی ہے، رسم زمانہ سے ہٹ کر نئی ترتیب کے ساتھ مدون کیا، روایت کے ساتھ درایت کے پیمانہ کو استعمال کرنے کی وجہ سے ان پر طعن بھی کیا گیا ہے (ایضا)

ان کے بارے میں ایک جملہ عموما کتابوں میں ملتا ہے کہ '**کان یفزع الی فتواہ فی الطب کما یفزع الی فتواہ فی الفقہ**' (ابن الابار، التکملۃ لکتاب الصلۃ، ۲/۴۷)، یعنی وہ جس طرح فقہی مسائل معلوم کرنے کا مرجع تھے، اسی طرح طب میں علاج ومعالجہ کے لئے بھی قبلہ تھے۔ عقلی اور سائنسی علوم میں اپنی ان مہارتوں کے ساتھ انہوں نے اسلامی قانون میں بھی اس قدر مہارت حاصل کی کہ ان کی کتاب **بدایۃ المجتہد** آج تک دینی مدارس کے نصاب تدریس میں داخل ہے، قرطبہ کے قاضی بنائے گئے تھے۔ ان کا اہم کارنامہ '**فصل المقال فیما بین الشریعۃ والحکمۃ من اتصال**' نامی کتاب ہے، جس میں انہوں نے مذہب اور فلسفہ کے درمیان رشتے استوار کئے ہیں۔

ان علما نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا، اور اپنے اختصاص کے میدان میں جد وجہد کی تھی، عمر کے کسی بھی حصہ میں انہوں نے تحقیق واکتشاف سے رابطہ ترک نہیں کیا، ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ کو عام طور سے ماہر ادب عربی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، جب کہ اسلامیات اور استشراق کے حلقوں میں وہ ماہر حیوانیات کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں، ان کی 'کتاب الحیوان' کمال الدین دمیری کی 'حیاۃ الحیوان' سے زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے، حصول علم میں اخیر تک مشغول رہے، اپنے کتب خانہ میں مطالعہ کررہے تھے کہ کتابوں کی الماری ان پر گری، اور انتقال ہوا (عادل نویہض، معجم المفسرین ۱/۴۰۴)۔ مٹی سے پہلے کتابوں کو اپنا مدفن بنایا۔ ضیاء الدین ابن البیطار مشہور ماہر نباتیات اور دوا ساز ہیں، اپنی کتاب **الجامع لمفردات الادویۃ** میں (۱۴۰۰) دواؤں کے خواص تحریر کئے ہیں۔ جن میں تین سو دوائیں خود ان کی ایجاد ہیں، ایک پودے سے دوا تیار کررہے تھے کہ اچانک انتقال ہوگیا، اس کی ممکنہ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ پودے سے مسموم مادہ کے اخراج سے انتقال ہوا (ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، ۱۳/۳۵۹)۔

گذشتہ مثالیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلم تاریخ کے سنہری دور میں شائقین علم کی جانب سے مختلف اقسام کے علم کو جمع کرنے کی شاندار روایت رہی ہے، اسلامی تاریخ میں جامعیت اور عبقریت کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ جو یہ بتاتی ہیں کہ علم ایک اکائی ہے، اور ایک علم کا حصول دوسرے علم کے حصول سے مانع نہیں ہے۔ یہ مثالیں یہ بھی بتاتی ہیں ہیں کہ اسلام میں علم کی دنیاوی اور دینی کے خانوں میں تقسیم نہیں ہے، بلکہ نافعیت کی وجہ سے دونوں قسم کے علوم کا ساتھ ساتھ سفر بھی ممکن ہے، بلکہ اس سفر کے دوران ثواب واحتساب کی امید بھی کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

فکر وعمل

# خدمت انسانیت ایک عظیم فریضہ

مولانا ارشد علی ندوی (العافیہ سینٹر، مکارم نگر، لکھنؤ)

کتاب وسنت اور سیرت طیبہ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انسانیت کی خدمت ایک طرف عظیم عبادت اور رضائے الٰہی کا بڑا ذریعہ ہے تو دوسری طرف تحفظ ملت کا سامان بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے بارش کی مثال دے کر فرمایا: **فأما الزبد فیذهب جفاء وأما ماینفع الناس فیمکث فی الأرض** (الرعد:۱۷)

(جو جھاگ ہوتا ہے وہ بے کار چلا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کیلئے نفع بخش ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے)۔

یعنی جب بارش ہوتی ہے تو پانی کے اوپر جو جھاگ اور فین نظر آتا ہے وہ بہت جلد نابود ہوجاتا ہے، اس کو قرار حاصل نہیں، کیوں کہ وہ غیر مفید ہے، اس لئے اس کو ٹھہراؤ نصیب نہیں ہوتا، اور اس کے برعکس پانی جو انسانیت کے لیے مفید ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے، لوگ اس کی قدر کرتے ہیں، خود اسے پیتے ہیں، اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں، اپنے کھیتوں کی سینچائی کرتے ہیں اور دیگر چیزوں میں اسے استعمال کرتے ہیں۔

لہٰذا آیت بالا کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ جس چیز کے اندر نافعیت کا مادہ ہوگا، جو چیز لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد ہوگی دنیا والے اس کی قدر کریں گے، اس کا اکرام کریں گے، اس کو عزت دیں گے۔ اسی طرح من حیث القوم جو قوم انسانیت کے لیے نافع ہوگی، آڑے وقتوں میں اوروں کے کام آئے گی، دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوگی، بلاتفریق مذہب وملت مصیبت زدگان کی اعانت کرے گی تو اہل دنیا ضرور اس کی عزت کریں گے، اس کے لیے اپنی پلکیں بچھائیں گے اور اس کا ممنون ومشکور ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ خدائی قانون ہے اور قانون خداوندی میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں "**لاتبدیل لکلمات اللہ**"۔

یہ بالکل ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ جل شانہ نے دل کے اندر اثر پذیری کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ دل کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو، بلکہ سنگ دل کیوں نہ ہو جب اس کے ساتھ بالاستقلال حسن سلوک اور احسان کا برتاؤ کیا جاتا ہے تو ایک نہ ایک دن وہ موم ضرور ہوجاتا ہے، جیسا کہ پانی کا قطرہ اگر کسی پتھر پر متواتر ٹپکتا رہے تو اس میں اپنا اثر ضرور ڈال دیتا ہے، یعنی اس میں سوراخ کردیتا ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ **الانسان عبید الاحسان** (انسان احسان کا غلام ہوتا ہے)۔

ایک حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار تھا تو تم نے میری مزاج پرسی نہیں کی، بندہ کہے گا اے اللہ تو تو رب العالمین ہے میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھ کو اس کے پاس پاتے۔ پھر فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا طلب کیا تو تم نے مجھے نہیں کھلایا پھر بندہ عرض کرے گا اے خدا تو تو سارے جہان کا پروردگار ہے میں تجھے کیسے کھلاتا؟ تو پھر اللہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تم اسے کھانا کھلاتے تو مجھے وہاں پاتے۔ پھر ارشاد ہوگا اے آدم کے بیٹے میں نے تم سے پانی مانگا تو تم نے مجھے نہیں پلایا، پھر بندہ دست بستہ عرض کرے گا اے اللہ تو تو ساری کائنات کا رب ہے میں کیونکر تجھے پلاتا؟ تو اللہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ پیاسا تھا، اگر تم اسے پانی پلاتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ استحقاق نصرت کے لیے ایمان شرط نہیں ہے، بلکہ بشریت وآدمیت شرط ہے۔ جو بھی آدم کی اولاد ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مومن ہو یا کافر ومشرک۔ اگر وہ ضرورت مند ہے، پریشاں حال ہے، مصیبت زدہ ہے تو آپ اس کے مذہب ودھرم کو نہ دیکھیں بلکہ فوراً اس کی مدد کریں، اس کے زخم پر مرہم رکھیں، اس کے درد کا مداوا کریں۔ یہ ہیں اسلامی تعلیمات اور یہ ہیں نبوی اخلاق۔ بلکہ خدمت انسانیت سے بھی آگے ہر جاندار اور ترجگر رکھنے والا آپ کے سلوک کا مستحق ہے اور اس پر ظلم وتعدی حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ "**فی کل ذات کبد رطبة أجر**" (ہر تر جگر والے میں اجر ہے) (متفق علیہ)۔

اسی طرح ایک حدیث میں تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ہے "**الخلق عیال اللہ فأحبهم الی اللہ انفعهم لعیاله**" (**المعجم الکبیر للطبرانی**) (ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، تو ان میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے عیال کے لیے زیادہ مفید ہو)۔

یہ ہیں وہ دینی تعلیمات جنہیں اختیار کرکے صحابۂ کرام اور اولیائے عظام نے دنیا کے گوشے

گوشے میں اسلام کا پرچم لہرایا وہاں کے باشندگان کے قلوب کو مسخر کیا اور اپنے اچھے اخلاق اور عمدہ اوصاف سے ان کو اپنا مطیع وفرماں بردار بنایا۔

آج عصر حاضر میں بھی جبکہ مغربی میڈیا اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنے ، انہیں ظالم وجابر بتانے اور انہیں دہشت گرد ثابت کرنے پر اپنا پورا زور صرف کر رہا ہے اور خاص طور سے ہمارے ملک کے حالات تو اور زیادہ قابل افسوس ہیں، ایسے سخت اور مشکل حالات میں بھی ہمیں انھیں نبوی تعلیمات کو اختیار کرنے ، انھیں خصائل عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے اور اسلام کا ایک خوبصورت نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر دیکھیں حالت کیسے نہیں بدلتے ہیں؟ نفرت کی فضا محبت کی فضا میں کیوں کر تبدیل نہیں ہوتی ہے؟

فارسی کے مشہور شاعر ونثر نگار، درویش شیراز حضرت شیخ مشرف الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگرند
کہ در آفرینش ز یک جوہرند
چوں عضوی بدرد آورد روزگار
دیگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بیغمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

(تمام اولاد آدم ایک دوسرے کے عضو ہیں کیونکہ سب کی پیدائش ایک ہی جوہر (مٹی) سے ہوئی ہے، جب کسی دن کسی عضو کو درد ہوتا ہے تو دوسرے اعضا کو بھی سکون نہیں ملتا، اگر تجھے دوسروں کی تکلیف ومصیبت سے پریشانی وبے چینی نہیں ہوتی ہے تو چاہیے کہ دنیا والے تجھے انسان نہ کہیں۔)

☆☆☆

# پیامبر کا پیام، کام اور نام زندہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

رسولؐ آج چشم ظاہر سے مستور ہیں؛ لیکن اسوۂ رسولؐ مستور نہیں، وہ قدم جن پر پیشانیوں کا رگڑنا ہمارے لیے اوجِ سعادت تھا، آج ہماری نظروں سے اوجھل ہیں؛ لیکن نقش قدم موجود ہیں، صاحب ’خلق عظیم‘ رفیق اعلیٰ کی رفاقت میں ہے؛ لیکن ’خلق عظیم‘ کی امانت انسانوں کے سینوں اور کتب خانوں کے سفینوں میں آج بھی محفوظ ہے، پیامبر کا پیام زندہ ہے، کام زندہ ہے، نام زندہ ہے اور آج خاک کا ہر پتلا اپنے ظرف اور بساط کے مطابق اس گنج نور سے کسب فیض کر سکتا ہے، ٹھیک اسی طرح باطل پرستی کی بھی راہ آج بھی بند نہیں، جس طرح صاحب ’خلق عظیم‘ کی علوی نسبت زندہ قائم ہے، اسی طرح ’حلاف مہین‘ کا سفلی سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوا ہے، بے ضرورت حلف نامے شائع کرنے والے، غیر اللہ کی قسمیں کھانے والے اسے کمال انشاء پردازی کا نمونہ سمجھ کر اس پر فخر کرنے والے، اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں اپنی عزت وشرافت، ظرف کا خون کر ڈالنے والے، بے گانوں کے سامنے اپنوں کی مخبری وجاسوسی کرنے والے، نیک کاموں میں شرکت اور چندے سے مختلف حیلوں حوالوں سے روکنے والے، پردہ اور سود کے متعلق اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو اپنی روشن خیالی کے زعم میں توڑ ڈالنے، ان گناہوں کو گناہ نہ سمجھ کر ان پر فخر کرنے والے، لڑائی جھگڑوں کو طرح طرح کے پرفریب طریقوں سے طول دینے والے، اپنی بڑائی کا نقارہ اپنے ہاتھ سے پیٹنے والے، پاک وپاکیزہ گروہوں کی جانب بلا استحقاق اپنی نسبت دینے والے اور پھر یہ ساری زیادتیاں محض اپنے جتھے اور اپنے سرمایہ، اپنی پارٹی اور اپنے فنڈے کے بل بوتے پر کرنے والے جب تک روئے ارض پر موجود ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ صبح سعادت کی پوری نورانیت وضوفشانی کے ساتھ شب باطل بھی اپنی پوری تیرگی وسیاہی کے ساتھ موجود نہیں؟

ان بدنصیبوں کی بڑی شامت یہ ہوتی ہے کہ انھیں جب اللہ کی نشانیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے، جب انھیں ان کے کرتوتوں کے نتائج پر آگاہ کیا جاتا ہے، جب انھیں احکام الٰہی پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو یہ بے توجہی سے منھ پھیر لیتے ہیں: ”وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ“ اور بجائے توجہ والتفات کے کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو سنی سنائی پرانی کہانیاں ہیں، پستی وگمراہی کا یہ آخری مرتبہ ہوتا ہے جب نصیحت یا موعظہ بھی تلخ معلوم ہونے لگتی ہے، جب راستی سے بے تعلقی وبیزاری اس حد تک پہونچ جاتی ہے جب حق وصداقت سے سارا رشتہ ٹوٹ کر پورا اعتماد صرف اپنی ذکاوت وذہانت اور اپنے جتھے اور سرمایہ پر رہ جاتا ہے تو اس وقت عذاب الٰہی اس شکل میں نازل ہوتا ہے کہ بدبخت کی ناک پر داغ: ”سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ“ لگا دیا جاتا ہے اور اس کے چہرے کو داغدار کر دیا جاتا ہے اور اسکی توہین ورسوائی کا سامان دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں کر دیا جاتا ہے، آخرت میں ناک پر جس پر داغ لگایا جائے گا اس کا حال وہیں معلوم ہو سکتا ہے، البتہ دنیا میں ناک پر داغ لگنے کا مفہوم بالکل واضح ہے، ہر وہ شے جو انسان کو ایسا بدنام ورسوا کر دے کہ پھر وہ رسوائی اس سے دفع نہ ہو سکے، ہر وہ شے جو کسی کی سفیدی میں سیاہی لگا دے، ہر وہ شئ جو کسی کے ایسے شرمناک جرم کو منظر عام پر لے آئے جس کے بعد مجرم منھ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

☆☆

**متاعِ زندگی**

# دعا: بندۂ مومن کا سب سے مؤثر ہتھیار

محمد جاوید اختر ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" [غافر: ٦٠] (اور تمہارے رب نے فرمایا: مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔)

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے محتاج ہے۔ اس کی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آتے ہیں جہاں تمام ظاہری وسائل ختم ہو جاتے ہیں، عقل حیران رہ جاتی ہے، دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور طاقت جواب دے دیتی ہے، ایسے وقت میں صرف ایک دروازہ کھلا رہتا ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کا دروازہ۔

دعا محض چند الفاظ کا نام نہیں۔ بلکہ ایک بندۂ مومن کی عاجزی، بندگی، محبت، امید، توکل اور یقین کا عملی اظہار ہے، دعا زمین کے انسان کو آسمانوں کے مالک سے جوڑ دیتی ہے، اور یہی تعلق انسان کی اصل قوت ہے۔

لغت میں دعا کے معنی ہیں: پکارنا، بلانا اور کسی سے سوال کرنا۔ شرعی اصطلاح میں دعا سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنی حاجات پیش کرنا، اس کی رحمت کی امید رکھنا اور اس کی قدرت پر کامل یقین کرنا۔

دعا کے احکام وآداب میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کرے، پھر درود شریف پڑھے اور دعا کرے، دعا اپنے لیے بھی کرے، اپنے عزیزوں اور اہل تعلق کے لیے بھی کرے، اور عام مسلمانوں کو بھی شامل کرے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ غائبانہ دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا بہتر ہے کہ یہ اپنے احتیاج کی علامت ہے، فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر لے، جامع دعاؤں کا زیادہ اہتمام کرے، اور پورے یقین کے ساتھ دعا کرے، تنگی اور پریشانی کے وقت بھی دعا کرے اور خوش حالی کے زمانے میں بھی۔

بلاشبہ دعا سے غفلت بڑی محرومی کی بات ہے، دعا انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی، سری بھی ہو سکتی ہے اور جہری بھی؛ لیکن زیادہ اہتمام انفرادی اور سری دعاؤں کا کرنا چاہئے کہ اس میں زیادہ حضوری نصیب ہوتی ہے، اور ریا کا بھی خطرہ کم ہوتا ہے، ساعات اجابت کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، خاص طور پر جمعہ کے دن، تہجد کے وقت، اور بعد عصر قبیل مغرب قبولیت کی گھڑیاں ہیں، سفر میں بھی دعا کی قبولیت کا ذکر حدیث میں آتا ہے، دوسروں سے بھی دعا کی درخواست کرنی چاہئے، اس کا بھی ذکر حدیث میں آتا ہے، مسنون اور جامع دعائیں یاد نہ ہوں تو ان کو یاد کر لینا چاہئے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے بہت سی دعائیں سکھائی ہیں، جو سب ہمیں یاد نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتا دوں، جو ساری دعاؤں کی جامع ہو، وہ دعا یہ ہے:

"اللهم إني أسئلك من خير ما سألك منه نبيك محمد صلى الله عليه وآله وسلم، وأعوذ بك من شر ما استعاذك منه نبيك محمد صلى الله عليه و آله وسلم، وأنت المستعان وعليك البلاغ ولا حول ولا قوة الا بالله" (اے اللہ! میں تجھ سے ہر وہ بھلائی چاہتا ہوں، جو تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہی، اور ہر اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں، جس سے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ چاہی، تیری ہی ذات سے مدد طلب کی جا سکتی ہے اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے، اور جو کچھ بھی طاقت وقوت ہے، وہ اللہ ہی کے واسطہ سے ہے۔)

دعا صرف پریشانی کے وقت نہیں بلکہ ہر حال میں ضروری ہے۔ انسان کو دعا کی ضرورت اس لیے ہے کہ انسان کمزور ہے، مستقبل اس کے اختیار میں نہیں، رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، صحت وہی دیتا ہے، اولاد اسی کی نعمت ہے، عزت وذلت اسی کے اختیار میں ہے، ہدایت صرف وہی عطا فرماتا ہے۔

دعا سے ایمان مضبوط ہوتا ہے، دل کو سکون ملتا ہے، توکل پیدا ہوتا ہے، خشوع نصیب ہوتا ہے، تکبر ختم ہوتا ہے، عاجزی پیدا ہوتی ہے، صبر بڑھتا ہے، شکر کی عادت بنتی ہے، مشکلات آسان ہوتی ہیں، مصیبتیں ٹلتی ہیں، رزق میں برکت آتی ہے، بیماریوں میں شفا نصیب ہوتی ہے، گھروں میں سکون پیدا ہوتا ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تقدیر بدل نہیں سکتی، تو پھر دعا کی اس قدر ضرورت کیوں؟

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا يرد القضاء إلا الدعاء" (تقدیر (معلق

کو دعا کے سوا کوئی چیز نہیں ٹال سکتی) یعنی یہ بھی اللہ کی تقدیر کا حصہ ہے کہ بندہ دعا کرے اور اس کے سبب آنے والی مصیبت دور کر دی جائے۔

دعا بندہ کی کمزوری نہیں؛ بلکہ اس کی سب سے بڑی طاقت ہے، جو انسان ہر حال میں اللہ کو پکارتا ہے، اللہ اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑتا، دنیا کے تمام دروازے بند ہو جائیں تو بھی ربِ کریم کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دعا دل کی زندگی، روح کی غذا، ایمان کی تازگی اور بندگی کا حسین ترین مظہر ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ دعا کو اپنی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بنائے، خوشی اور غمی، فراخی اور تنگی، صحت اور بیماری، ہر حال میں اپنے رب کے حضور ہاتھ پھیلائے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کو سنتا ہے؛ یا اسے دنیا میں قبول فرماتا ہے، یا اس کے بدلے بہتر چیز عطا کرتا ہے، یا آخرت کے لیے اجر ذخیرہ کر دیتا ہے۔

انسان کو زندگی کے ہر مرحلہ میں دعا کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ کبھی بھی اپنے رب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس کی ہر سانس اللہ کی عطا، ہر نعمت اس کا فضل اور ہر کامیابی اس کی توفیق کی مرہونِ منت ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک، بلکہ آخرت کی کامیابی تک، انسان ہر لمحہ اپنے پروردگار کی رحمت، ہدایت، حفاظت اور نصرت کا محتاج ہے، اس لئے وہ جس قدر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوگا، کامیاب ہوتا جائے گا، اسی لیے دعا ایک وقتی ضرورت نہیں؛ بلکہ مومن کی دائمی زندگی، مسلسل بندگی اور اپنے رب سے اٹوٹ تعلق کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص، آدابِ دعا کی پابندی اور کثرت سے دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

# مسائل کا حل اور امن وعافیت کا گہوارہ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

آج امن وعافیت کا مسئلہ کتنا پیچیدہ ہے، پوری دنیا مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک امن برپا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، کانفرنسوں پر کانفرنسیں ہو رہی ہیں، مشوروں پر مشورے ہو رہے ہیں، بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے مفکرین بلائے جا رہے ہیں کہ اس مسئلے پر غور کریں کہ کس طرح امن عالم برپا ہو، لیکن کہیں وہ نسخہ مل نہیں رہا ہے، ملے کہاں؟ وہ نسخہ تو مسلمانوں کے پاس ہے، اسلام سے پہلے دنیا کی حالت دیکھئے! کیسی بدامنی تھی، لیکن اسلام کی آمد کے بعد ایسے امن اور سکون کی فضا قائم ہوئی کہ ایک بوڑھیا صحرا کے اندر مال و دولت لے کر تنہا سفر کرتی تھی، مگر کوئی ایسی للچائی ہوئی نگاہ نہیں تھی، جو اسے کسی قسم کا نقصان پہنچا سکے، بلکہ نقصان پہونچانے کے بجائے اس کا ساتھ دیتے تھے، مدد کرتے تھے، منزل مقصود تک پہونچا دیتے تھے۔

آج جو بیماریاں، جو خرابیاں، جو برائیاں اور جو پریشانیاں ہیں اور آپ اور آپ کے مال و دولت کو جو خطرات درپیش ہیں، سب اس لیے ہیں کہ اسلام سے آپ کا تعلق کمزور ہو گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے آپ کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

اس لیے اصل یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل طریقے پر پیروی کریں، اور اس کے لیے جو بھی کوششیں ہو سکتی ہوں وہ کریں، صرف صورت یا ظاہر میں مسلمان بننا نہ ہمارے لیے مفید ہے، نہ ہمارے ماحول کے لیے نفع بخش۔

ہم اپنے ماحول کو بلند تر بنا سکتے ہیں، اس ملک کو جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑی ہے، اگر ہم چاہیں اور ایک ٹھوس اور سنجیدہ فیصلہ کر لیں تو پورے اس ملک کو اسلام کی روشنی سے منور، اور دین کی بے بہا دولت ونعمت سے مالا مال کر سکتے ہیں، یہ ہمارے اندر کی کوششوں، ہمارے اندر کے جذبات اور ہمارے ایمان اور عزم وحوصلے پر موقوف ہے۔ ہم بلاوجہ دوسروں کا شکوہ کرتے ہیں کہ فلاں نے مارا، فلاں نے دبایا، فلاں نے حق تلفی کی، بالکل غلط ہے! نہ کوئی حکومت کسی کا حق مارتی ہے، نہ کوئی معاشرہ، نہ کوئی انسان! بلکہ انسان خود اپنا حق مارتا ہے، اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، جب ہم اپنے راستے سے ہٹ جائیں گے تو ذلیل ہو جائیں گے، اس لیے کہ ہر طرح کی عزت و کامیابی صرف اور صرف اسی راستے پر چلنے میں تھی جس سے ہم ہٹ گئے، دوسروں کو الزام دینے سے کچھ فائدہ نہیں، اپنے اندر جھانک کر دیکھئے کہ ہم اس بات کے حقدار تھے یا نہیں، ہمیں اس کی سزا ملنی چاہیے تھی یا نہیں! ہم کو کوئی حکومت، کوئی پارٹی سزا نہیں دیتی، سزا ہم اپنے آپ کو خود کو دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی وہ دولت دی ہے، ہمیں اسلام کا وہ معجزہ عطا فرمایا ہے جس معجزے کے ذریعے ہم پوری دنیا کو اسلام کے سائے تلے اور ایمان کی روشنی میں لا سکتے ہیں، جتنے مسائل آج دنیا کے اندر ہیں، چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا اقتصادی، ہم ان تمام مسائل کا حل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، اور اس دنیا کو امن وعافیت کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

☆☆

رسید کتب

# تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

## تفسیر امدادی

از: مولانا محمد ابراہیم پٹنی

حالیہ چند سالوں میں اردو زبان میں قرآن کریم کی کئی تفسیریں اور ترجمے معتبر علماء کی جانب سے سامنے آئے ہیں۔ یہ ترجمے اور تفسیریں عوام الناس کی سطح اور مزاج کو سامنے رکھ کر کیے گئے ہیں، جن سے عصری زبان میں قرآن فہمی کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے ''تفسیرِ امدادی'' کی طبعِ ثانی کا ایک نسخہ ہے، جو مولانا محمد ابراہیم پٹنی حفظہ اللہ کی علمی کاوش ہے۔ اس تفسیر پر جستہ جستہ نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اہلِ علم و طلبۂ علم کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ اس طرح ہمارے محدود علم میں جدید اردو تفاسیر میں یہ اس نوعیت کی پہلی تفسیر ہے، جو علمی طبقہ کو مدنظر رکھ کر پیش کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیت کی بنا پر 'تفسیرِ امدادی' کا اسلوب یہ ہے کہ صفحہ کے اوپری حصہ میں قرآنی آیات درج ہیں، اس کے بعد ترجمہ، اور ترجمہ کے بعد الفاظ وتراکیب کی تشریح وتوضیح۔

الفاظ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر افعال کے ابواب اور مفردات کی جمع بیان کرتے ہوئے علماء اور اہلِ لغت کے اقوال وآراء بھی نقل کرتے ہیں، اور عبارت کی تفہیم کے لیے نحوی ترکیب کی وضاحت بھی حسبِ ضرورت کرتے جاتے ہیں، اور خاص خاص مواقع پر قرآنی تعبیر کی بلاغت اور فصاحت کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اس لغوی، نحوی، صرفی اور بلاغی وضاحت کے بعد قاری کو عبارت فہمی میں کوئی دشواری نہیں ہوتی، اور وہ آیاتِ قرآنی کا ظاہری مفہوم ومراد سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

عام طور پر صاحبِ تفسیر اسی توضیح وتشریح کے ضمن میں کافی حد تک تفسیری مواد کو بھی شامل کرلیتے ہیں، اور بعض اوقات اس کے لیے مستقل عنوان اور پیراگراف قائم کرتے ہیں۔ عام مفسرین سے ہٹ کر انھوں نے ان قصوں اور روایات کو موضوعِ تفسیر نہیں بنایا ہے جو شانِ نزول کے طور پر پیش کی جاتی ہیں، گویا وہ اس مسئلہ میں ولی اللّٰہی مسلک پر ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کلام اللہ کے بنیادی پیغام کی افہام وتفہیم میں کسر رہ جاتی ہو۔

'تفسیرِ امدادی' میں مندرجۂ بالا امور کے ساتھ تصوف وسلوک کے مسائل کا بھی جابجا ذکر نظر آتا ہے، اور سالک وصوفی کے ذوق اور تسلی کا کافی سامان اس میں موجود ہے؛ لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ علمی کاوش محض ایک مخصوص طبقہ کے لیے ہے؛ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اختلافی مباحث سے دور ہے، صاف ستھرے مواد کی حامل ہے، اور خاص طور پر مدارس میں تفسیر و ترجمہ کا درس دینے والے اساتذہ اور مطالعہ کرنے والے طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

'مکتب امدادی، نوساری' سے شائع ہونے کے بعد دستیاب ہے، حصول کے لیے رابطہ کریں:
۸۳۲۰۸۳۴۵۵۱

## ارادے

از: شاد اعظمی ندوی

جناب شاد اعظمی ندوی صاحب گوناگوں صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ وہ شاعر وادیب بھی ہیں، مضمون نگار وقلم کار بھی اور مؤلف ومصنف بھی۔ وہ ایک تعمیری ذہن رکھتے ہیں؛ اسی لیے انھیں ادبِ اطفال سے کچھ خاص لگاؤ ہے، اور انھوں نے اپنی شعری صلاحیتوں کو گویا اسی کے لیے وقف کردیا ہے۔ اس بنا پر اگر انھیں 'شاعرِ اطفال' کا خطاب دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ ان کے کئی شعری مجموعے بچوں کی تربیت کے حوالہ سے منظرِ عام پر آچکے ہیں، اور اب یہ شعری مجموعہ ہے جو 'ارادے' کا عنوان لیے ہوئے ہمارے سامنے ہے۔ اس میں انھوں نے حمد، نعت، دعا، قومی ایام کے علاوہ بچوں میں علم وآگہی، اخلاق وصفات، اقدار وروایات، اور امنگ وبلند ہمتی پیدا کرنے کے لیے خوبصورت اور بچوں کے موافقِ حال نظمیں پیش کی ہیں۔

'ارادے' نونہالانِ قوم کی ذہنی ونفسیاتی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ بچوں کو منظوم کلام سے کافی مناسبت ہوتی ہے، اس کو یاد کرنا ان کے لیے آسان ہوتا ہے، اور پڑھنا تفریحِ طبع کا سامان۔ بجائے لغو قصے کہانیوں اور مخربِ اخلاق باتوں کے مفید اور دینی واخلاقی قدروں کی تعلیم کے لیے شاعری کا استعمال کم از کم اردو زبان

میں کوئی نئی پیش رفت تو نہیں؛ لیکن گذرتے وقت اور ترقی کرتی ہوئی زندگی کا ساتھ دینے کے لیے ہر دور میں اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور کی جاتی رہے گی، اور قوم کے نگہبانوں اور اس کی فکر رکھنے والوں نے ہمیشہ اس ضرورت کا خیال بھی رکھا ہے۔ ہمیں ہر دور میں ایسے ادباء وشعراء اور کتب ورسائل بحمدہ تعالیٰ میسر رہے ہیں؛ جن کا ہماری نسل نو کی ذہنی واخلاقی تربیت میں بڑا رول رہا ہے، بطور مثال مولانا اسماعیل میرٹھی مرحوم اور ان کا اردو نصاب اور قریبی دور میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی جیسے شاعر ونثر نگار ہیں جنہوں نے دیگر کے مقابلے زیادہ شہرت حاصل کی۔

تسلیمی صاحب کا خیال آئے اور بچوں کے رسالہ 'الہلال' اور اس کے ساتھ 'امنگ' کا خیال نہ آئے۔ بہر حال شعر ونثر دونوں ہی میں اربابِ نگارش نے ادب الاطفال کی بڑی خدمات انجام دی ہیں، اور شاد اعظمی ندوی صاحب کی یہ کاوشیں بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔

'ارادے' نہ صرف یہ کہ مفید اور خوبصورت مواد پر مشتمل ہے: بلکہ عمدہ زبان وبیان کا ذوق پیدا کرنے میں بھی مدد ومعاون ثابت ہوسکتی ہے۔

۱۳۰؍صفحات پر مشتمل' ادبِ اطفال کا یہ بہترین نمونہ 'مشہود انٹر پرائزز، لکھنؤ' سے شائع ہوکر' یہاں اور اعظم گڑھ اور مئو کے کتب فروشوں کے یہاں دستیاب ہے۔ مجوزہ قیمت ۱۸۰؍روپیہ ہے۔ رابطہ کے لیے:

۷۰۰۳۲۰۰۰۰۷

## شعرائے ندوہ

از: محمد لقمان پرتاپگڑھی

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان ایک آلہ ہے مافی الضمیر کے اظہار کا، اور ادب ایک وسیلہ ہے باسلیقہ پیغام رسانی کا، اور شاعری اس کا ایک بلیغ ترین اور مؤثر ترین ذریعہ۔

اسی لیے ندوۃ العلماء نے ابتداء ہی سے شعر و ادب میں رسوخ پیدا کرنا اپنے منشور میں شامل رکھا ہے۔ اسی وجہ سے شعر وسخن' ندوہ اور اہلِ ندوہ کے مزاج میں شامل ہے۔ اگر کہا جائے کہ ندوہ اپنا ایک خاص ادبی وشعری ذوق رکھتا ہے تو مبالغہ نہیں۔

فضلائے ندوہ کی ایک بڑی تعداد ہے جنھوں نے شاعری کے میدان میں اپنا زور آزمایا ہے، اور اس فن میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کبھی یہ شعراء اور ان کی شعری کاوشیں تحقیقی دنیا کا حصہ نہ بن سکے، اور باضابطہ کوئی تحقیقی مقالہ یا کتاب تو دور شاید کوئی مضمون بھی ندوی شعراء کے ذکر میں نظر سے نہیں گذرا۔

مبارکباد کے مستحق ہیں عزیزم محمد لقمان جو پرتاب گڑھ سے تعلق رکھتے ہیں اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک ہونہار طالب علم ہیں، کہ انھیں اس طرف توجہ ہوئی، اور انھوں نے سو صفحات کا ایک رسالہ اس موضوع پر جمع کرڈالا۔

'شعرائے ندوہ' ایک طالب علمانہ کوشش ہے، درسی مصروفیتوں اور محدود وسائل کے ساتھ ایک طالب جتنا کچھ مواد جمع کرسکتا ہے' وہ محمد لقمان نے کردیا ہے، اور آئندہ کام کرنے کے لیے ایک بنیاد فراہم کردی ہے، اس کے لیے وہ تشجیع کے مستحق ہیں۔

'شعرائے ندوہ' کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلے باب میں ان شعراء کا ذکر ہے جو اس دارِ فانی سے کوچ کرچکے ہیں، جب کہ دوسرے باب میں ہم عصر اور باحیات شعراء کا ذکر ہے۔ شعراء کے نمونۂ کلام کے ساتھ ان کا ایک اجمالی شخصی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے، اور بساط بھر ان کے کلام کے خصائص پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مجلس مذاکرۂ علمی، پرتاب گڑھ' سے شائع ہوکر ندوہ کے قریبی کتب خانوں پر خرید کے لیے دستیاب ہے۔

☆☆☆

## مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا انتقال

۲۹؍جون ۲۰۲۶ء کی صبح دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاذ مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب کا اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔ وہ ذیابیطس کے عرصہ سے مریض تھے، اور آخر میں قلب کا عارضہ بھی لاحق ہوگیا تھا۔

مولانا نے ایک طویل مدت دار العلوم ندوۃ العلماء میں مقبول استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں، اور کلیۃ الشریعۃ کے وکیل اور کلیۃ الدعوہ والاعلام کے عمید رہے۔ عام طور پر انھیں عربی اور اردو کے بے مثال خطیب کے طور پر جانا جاتا تھا۔

عمر کے آخری سالوں میں انھوں نے دین کے بعض بنیادی امور میں اختلاف کیا، جس کی وجہ سے انھیں ندوۃ العلماء سے سبک دوش ہونا پڑا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ خانہ کو صبر عطا فرمائے اور ان کے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے۔ ☆☆

احتسابِ نفس

# شیرازۂ ملت

محمد نفیس خان ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

اکیسویں صدی کے آغاز میں بہت سے حلقوں میں یہ امید کی جارہی تھی کہ نئی صدی مسلمانوں کے عروج، فکری بیداری اور تہذیبی احیا کی صدی ثابت ہوگی۔ سیاسی تبدیلیوں کی لہریں، دینی رجحانات میں اضافہ، نئی نسل کی اسلامی تعلیمات کی طرف بڑھتی ہوئی رغبت اور اسلام کے بارے میں عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی دلچسپی یہ احساس دلا رہی تھی کہ امت مسلمہ شاید ایک نئے روشن دور میں داخل ہونے والی ہے۔ مگر حالات نے اس کے برعکس رخ اختیار کیا۔ مسلمانوں پر ایسے پے در پے دباؤ بڑھتے گئے کہ ابتدائی دورِ اسلام کی آزمائشیں یاد آنے لگیں۔

اگر موجودہ صورتِ حال کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہمارے زوال کے اسباب صرف بیرونی سازشوں تک محدود نہیں، بلکہ ہماری اپنی کمزوریاں، غفلت، باہمی انتشار اور غلط حکمت عملیاں بھی اس میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں۔

جب مسلمانوں میں بیداری کی لہر اٹھی تو مخالف قوتیں بھی متحرک ہوگئیں۔ انہوں نے منظم منصوبہ بندی کے ذریعے اس بیداری کو روکنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ مغربی دنیا، خصوصاً یورپ اور امریکہ میں اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان نے بعض حلقوں میں شدید ردعمل پیدا کیا۔ نتیجتاً اسلاموفوبیا کی منظم مہم نے زور پکڑا، نفرت اور تعصب کو فروغ ملا اور مختلف اسلام مخالف قوتیں ایک دوسرے کے قریب آکر ایک مشترکہ محاذ کی صورت اختیار کرتی چلی گئیں۔

عالمی سطح پر مسلمانوں پر جو آزمائشیں گزر رہی ہیں، ان کی شدت گزشتہ کئی دہائیوں میں کم ہی دیکھنے میں آئی ہے۔ غزہ اس انسانی المیے کی سب سے دردناک اور شرمناک مثال بن چکا ہے۔ ہزاروں بچوں سمیت بے شمار بے گناہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، لاکھوں لوگ اپنے گھروں سے بے دخل ہو چکے ہیں، آباد بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہوگئی ہیں اور خوراک، پانی، ادویات اور پناہ گاہ جیسی بنیادی ضروریات کا بحران ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ چکا ہے۔

اقوامِ متحدہ اور دیگر بین الاقوامی ادارے بارہا تشویش کا اظہار کر چکے ہیں، مگر عملی سطح پر کوئی مؤثر اور پائیدار حل سامنے نہیں آسکا۔ دوسری جانب بعض اسرائیلی سیاسی حلقوں کی جانب سے غزہ کے مستقبل کے بارے میں پیش کیے جانے والے اشتعال انگیز منصوبے نہ صرف فلسطینی عوام بلکہ پوری انسانیت کے اجتماعی ضمیر کو جھنجھوڑ رہے ہیں۔

یہ صورتِ حال ایک بار پھر یہ سوال ہمارے سامنے رکھتی ہے کہ پچاس سے زائد مسلم ممالک ہونے کے باوجود امت مسلمہ عالمی سطح پر ایک مؤثر، متحد اور باوزن آواز کیوں نہیں بن پا رہی؟ اگرچہ بعض ممالک نے سفارتی سطح پر آواز بلند کی، انسانی امداد فراہم کی اور جنگ بندی کے مطالبات کیے، لیکن مجموعی طور پر مسلم دنیا کی اجتماعی قوت وہ اثر پیدا نہ کر سکی جس کی اس نازک گھڑی میں شدید ضرورت تھی۔

یہاں ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا بیرونی چیلنجز سے بھی زیادہ تشویش ناک ہماری اندرونی کمزوریاں ہیں۔ افراد، جماعتوں، تنظیموں، فرقوں اور معاشروں کے درمیان بڑھتے ہوئے اختلافات، ذاتی مفادات کی ترجیح اور باہمی انتشار ہماری اجتماعی قوت کو مسلسل کمزور کر رہے ہیں۔ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ اس تقسیم کی جھلک اہل علم اور دینی قیادت کے حلقوں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ یہی انتشار دشمنوں کو ہمارے خلاف مزید مواقع فراہم کرتا ہے۔

ہندوستان سمیت دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان جن سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی چیلنجز سے نبرد آزما ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسے حالات میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہم ان آزمائشوں سے سبق حاصل کرنے، اپنی کمزوریوں کا دیانت داری سے جائزہ لینے اور ایک واضح، متحد اور عملی لائحۂ عمل اختیار کرنے کے لیے تیار ہیں؟

یقیناً ملکی اور عالمی تبدیلیاں مکمل طور پر ہمارے اختیار میں نہیں، قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں صدیوں پر محیط ہوتی ہیں؛ لیکن جو کچھ ہمارے اختیار میں ہے، اس سے غفلت کی کوئی گنجائش نہیں۔ انفرادی اصلاح، خاندانی تربیت، دینی وعصری تعلیم، کردار سازی، معاشی خود کفالت، سماجی ہم آہنگی اور فکری وابلاغی میدان میں مثبت کردار ادا کرنا ہماری بقا اور احیائے امت کے لیے ناگزیر ہے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ شکووں اور مایوسی کے بجائے شیرازہ بندی اور خود احتسابی کی راہ اختیار کی جائے، کچھ بعید نہیں کہ یہی آزمائشیں امت مسلمہ کے نئے عروج کی بنیاد بن جائیں۔ وگرنہ زوال کی یہ شب مزید طویل بھی ہو سکتی ہے!

☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالےٰ

Date 10th July 2026

تاریخ ۱۰؍جولائی ۲۰۲۶ء

# اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کران تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اوران کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| (مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی | (ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی | (مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی | (مولانا) محمد عمار حسنی ندوی |
| معتمد تعلیم ندوۃ العلماء | معتمد مال ندوۃ العلماء | مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء | ناظر عام ندوۃ العلماء |

NADWATUL ULAMA

عطیات A/c No. 1086 3759 711

تعمیرات A/c No. 1086 3759 733

زکوٰۃ A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
اوراس پتہ پر ارسال کریں:
Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91-8736833376
پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا